مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا

حُجّیّتِ حدیث

تالیف

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

مکتبہ محمدیہ

دعوتِ عمل بالکتاب والسنۃ کی تائید میں

محدث شام علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

کے تین گراں قدر رسالے

حجیّتِ حدیث

تالیف

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ

مولانا عبدالوہاب حجازی حفظہ اللہ

مولانا بدر الزماں نیپالی حفظہ اللہ

نظر ثانی

(حافظ) عبدالخبیر اویسی

تخریج

مولانا عبدالصمد ریالوی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob.: 0300-4826023

نام کتاب		حجیت حدیث
باہتمام	---------------	عبدالرحمان عابد
کمپوزنگ	---------------	نعمت اللہ تبسم
طبع دوم	---------------	مئی 2009ء
تعداد	---------------	1100
قیمت	---------------	140/-

اسٹاکسٹ

مکتبہ اہل حدیث امین پور بازار فیصل آباد
041-2629292,2624007

اسلامی کتب خانہ ڈاک خانہ بازار چیچاوطنی ضلع ساہیوال
0346-7467125,0301-4085081



E:mail;maktabah_muhammadia@yahoo.com
&maktabah_m@hotmail.com

عرض ناشر

فتنہ انکارِ حدیث کی تاریخ کا سرسری جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث نبوی کی حجیت واہمیت کے منکرین دو طرح کے ہیں، ایک طبقہ ان منکرین کا ہے جو کھلم کھلا حدیث کی حجیت کا انکار کرتا ہے، اور اس انکار کو اپنا مقصد قرار دیتا ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو صراحۃً حدیث کی حجیت کے منکر نہیں، بلکہ اس کو زبانی طور پر قابل اعتماد تسلیم کرتے ہیں، لیکن تاویل واحتیال کی ایسی راہ اختیار کرتے ہیں کہ جس سے حدیث کی حیثیت مجروح ہوتی ہے اور لوگوں پر یہ تأثر قائم ہوتا ہے کہ سنت نبوی کو تشریعی اعتبار سے کوئی اہم مقام حاصل نہیں، بلکہ خود ساختہ اصولوں کی روشنی میں اس کی توجیہ وتاویل کی جا سکتی ہے۔ بعض احادیث کی تاویل یا انکار سے متعلق اس طبقہ کے رویہ سے اوّل الذکر گروہ کو تقویت ملتی ہے، اسلامی تاریخ کے قدیم وجدید دونوں عہد میں اس (اس طبقے) کی مثالیں موجود ہیں۔

منکرین کی پہلی قسم کا موقف چونکہ واضح ہے، اس لیے اس کی تردید بھی آسان ہے، اکثر علماء اسلام نے اس موضوع پر قابل قدر کام کیا ہے، لیکن دوسری قسم کا جواب نسبتاً مشکل اور محنت طلب ہے، کیونکہ بسا اوقات اس کے موقف کی تعیین ہی دشوار ہو جاتی ہے، جس پر جواب یا تردید کا انحصار ہوتا ہے، اس وجہ سے موضوع کی اس شق پر انہی علماء کی کوششیں کامیاب ہو سکی ہیں جو اپنی دقت رسی اور نکتہ سنجی کے لیے مشہور ہیں۔ چونکہ سنت اور علوم سنت کے تحفظ کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دور بھی ایسے بالغ نظر علما سے خالی نہیں جو سنت نبوی کی مدافعت کا کام اولین فرض کی حیثیت سے انجام دیتے ہیں۔

زیر نظر کتاب محدثِ شام علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے جن کا شمار فن حدیث کے اساطین اور سنت نبوی کے نکتہ شناسوں کی صف اول میں ہوتا ہے، میری کیا بساط کہ

ان کے مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالوں، ان کی فنی مہارت، علم حدیث سے ان کا شغف، اس کی خدمت کے لیے ان کی عظیم قربانیاں، حب نبوی میں ڈوبا ہوا ان کا اسلوب، دفاع عن السنۃ کی راہ میں ان کا رواں اور شگفتہ قلم اور سیرت و عمل کے میدان میں محدثین کرام کی سادگی و قناعت اور فرائض و سنن کا غیر معمولی جتن، یہ ان کے نمایاں اوصاف ہیں۔

اس مجموعہ میں حجیت حدیث کے موضوع پر علامہ البانی رحمہ اللہ کے تین رسالوں کا اردو ترجمہ شامل ہے، حجیت حدیث کے اثبات اور سنت نبوی کے مقام کی تعیین و توضیح کے سلسلہ میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی تعارف و تمہید کا محتاج نہیں، لیکن چونکہ زیر نظر مجموعہ میں ان کی متعدد تحریروں کو یکجا پیش کیا جا رہا ہے، اس لیے یہ چند سطور ناگزیر تھیں۔ ناظرین اگر کوئی سقم محسوس کریں تو ضرور مطلع فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مجموعہ کو مفید و مقبول بنائے اور مصنف رحمہ اللہ کو اجر جزیل سے نوازے۔

الحمدللہ مکتبۃ محمدیۃ کی طرف سے اس سے قبل بھی بہت ساری اصلاحی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ قارئین اسے پسند فرمائیں گے اور مولف، مترجم، ناشر، محسن اور جملہ معاونین کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

وصلی اللہ علی محمد و علی الہ و صحبہ وسلم والحمد للہ رب العلمین۔

عبدالرحمان عابد

۱۶-۰۶-۲۰۰۸

فہرست

مقدمۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی عبدہ و رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد قال اللہ تعالیٰ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ٥

شریعت اسلامیہ قیامت تک کے لیے نازل ہوئی ہے جو اپنے نزول سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک نافذ ہے۔ اس کا مرجع اور محرر کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ہے اور یہی دونوں چیزیں اس کی اساس اور بنیاد ہیں۔ کتاب اللہ تو اس دین اور صراط مستقیم کا ایسا منبع اور عظیم معجزہ ہے کہ زمانہ نزول سے لے کر آج تک کوئی قوم اس کی چھوٹی سے چھوٹی آیت کا مثل بھی پیش نہیں کر سکی۔ قرآن کریم کی ہزاروں ایسی آیات ہیں کہ جو دنیا کے ہر افق پر پھیلی اور چھائی ہوئی ہیں اور احادیث مبارکہ پوری کی پوری ان آیات کی تشریح ہیں۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کی زبان اطہر سے جو ارشادات وارد ہوئے وہی رشد و ہدایت ہیں جس کی اتباع قیامت تک آنے والے ہر فرد پر فرض اور لازم ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی ﷺ کو خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ پر اپنی آخری کتاب یعنی قرآن حکیم کو نازل فرما کر قیامت تک آنے والے لوگوں کو اس چیز کا پابند کر دیا کہ میں نے تم میں رسول اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرو' یہ میرا حکم ہے اور جس نے میرے رسول کی نافرمانی کی اور اس کے احکامات کی مخالفت کی تو وہ یاد رکھے کہ اس کی دنیا تو برباد ہوئی سو ہوئی' آخرت میں بھی اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ایک مستقل مطاع کی حیثیت دی ہے۔ یہ نہیں کہ جو تمہارا جی چاہے تم اس کہے پر عمل

کرو اور جو من پسند نہ کرے تو اس کو چھوڑ دو بلکہ ایمان بالرسول یہی ہے کہ پہلے آپ پر ایمان لایا جائے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا ہادی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق کرنا اور آپ کی مقتضائے شریعت کے مطابق ڈھل جانا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس چیز کی نشاندہی کر دی ہے کہ وہ رسول جس کی اطاعت کو ہم نے اپنی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا ہے تو ہم اس کی اطاعت کرنے والے کو بھی ایسے بلند مقام پر بیٹھائیں گے کہ جہاں تک اس کی عقل کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی اور جس نے اس کی اطاعت سے انکار کیا تو اسے ایسا کوڑا (درّہ) پڑیگا کہ جس کا برداشت کرنا اس کے بس میں نہیں ہوگا اور اس کے برعکس اور اس کی دنیا بھی اتنی تنگ ہو جائے گی کہ اسے کہیں بھی سکون کا سانس لینا نصیب نہیں ہوگا، یہاں تک کہ کلی طور پر اس کے سر سے اسلام کی حفاظت اٹھالی جائے گی۔

ہر مسلمان پر نبی ﷺ کی اطاعت کا واجب ہونا مطلق ہے مقید نہیں کیوں کہ جس طرح آپ کی زندگی میں آپ کی اطاعت فرض تھی اس طرح آپ کی وفات کے بعد بھی فرض ہے اور احکام شریعت بھی آپ کی اطاعت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں کسی وقت یا زمانہ، آپ کی زندگی یا وفات کی قید نہیں بلکہ مطلقاً اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو آپ کی اطاعت کا پابند کیا ہے جیسا کہ حکم ربانی ہے مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)

یعنی رسول جو چیز تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کرے اس سے باز آ جاؤ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ.

اور اگر تمہارا کسی چیز، کسی معاملہ یا کسی مسئلہ میں کسی بھی قسم کا کوئی تنازعہ کھڑا ہو جائے اگر تم کو اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے کہ وہی تمہارا اور کل کائنات کا خالق و مالک ہے اور اس بات پر بھی تمہارا یقین ہے کہ ایک دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گذشتہ زندگی کے حساب و کتاب کے لیے پیش ہونا ہے۔ تو تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا مقدمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عدالت میں

پیش کرو یہی تمہیں صحیح فیصلہ سے آگاہ کریں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطلب ہے اس کی کتاب یعنی قرآن حکیم اور رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی زندگی میں تو ان کی طرف رجوع کرو اور ان کی وفات کے بعد ان کی سنت کی طرف رجوع کرو۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" یعنی مسائل، مصائب اور آلام وغیرہ سے امن کے لیے اسوۂ رسول پر عمل پیرا ہو جاؤ کہ یہی کامیابی کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اسوہ کو چھوڑ کر اگر کسی اور کے اسوہ پر عمل کرو گے تو پھر تمہارا شمار انہی میں ہو گا جو کہ تباہی و بربادی کا باعث ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول محض وقتی پیغام کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے بلکہ یہ قیامت کی دیواروں تک کے لیے رسول ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ مقام عطا فرمایا ہے تو کیا آپ اپنی مرضی اور چاہت سے از خود کوئی بات گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر سکتے ہیں؟ نہیں بلکہ ہرگز نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی وضاحت اس طرح فرمائی "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ" تو جب آپ ﷺ اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے تو پھر یہی آپ کے واجب الاتباع اور واجب الاطاعت ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ لہٰذا آپ کی اطاعت و اتباع کا مطلب معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہونا ہم سب پر فرض ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ ہم صرف قرآن کریم پر عمل کر کے آپ کی اتباع کر رہے ہیں تو یہ غلط ہے کیوں کہ قرآن حکیم کے بے شمار احکامات و فرامین ایسے ہیں کہ جن میں واضح طور پر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ ہم اس پر کس طرح عمل کریں، ان احکامات و فرامین کو جب ہم آپ کے اسوہ پر پرکھتے ہیں تو پھر ہمیں راستہ مل جاتا ہے ورنہ مذبذبین بین ذالک والا حشر ہے۔ تو جب آپ کے طریقہ قول و فعل اور فرامین سے ان مسائل کا حل ملتا ہے تو پھر کون ایسا بدنصیب ہو گا جو یہ کہے کہ ہمیں آپ کے فرامین یا آپ کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

نبی ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو یہی بات سامنے آتی

ہے کہ جب ان پر قرآن کریم کی کوئی آیت تلاوت کی جاتی اور ان کو مطلب سمجھ نہ آتا تو وہ لوگ آپ ﷺ سے اپنی مشکل بیان کرتے اور آپ ﷺ ان کی مشکل کی وضاحت فرما دیتے جس سے ان کی تشفی ہو جاتی۔ پھر اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو وہ آپ ﷺ کی زندگی کے لمحات کو دیکھتے اور آپس میں مل بیٹھ کر سوچ و بچار کرتے تو کسی نہ کسی صحابی سے اس مسئلہ کا حل دریافت ہو جاتا۔
مثلاً

(۱) نبی ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا مسئلہ جو پیش آیا تو وہ آپ کی تدفین کے متعلق تھا، وقتی طور پر یہ بہت بڑا مسئلہ بن گیا اور مختلف آراء سامنے آئیں لیکن یہ مسئلہ اس وقت حل ہوا جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی حدیث پیش کی کہ اللہ تعالیٰ کا نبی جہاں فوت ہوتا ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی کہتا تھا کہ بقیع الغرقد میں دفن کیا جائے، کوئی کہیں کا مشورہ دے رہا تھا اور کوئی کسی جگہ کا۔

(۲) نبی ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکاری ہو گئے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ اللہ کی قسم میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق جائز رکھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوبکر تم یہ لڑائی کیسے لڑو گے جبکہ نبی ﷺ فرما چکے ہیں کہ ''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب تک لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں ان سے لڑائی کا حکم دیا گیا ہے، ہاں جب وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں تو اس وقت ان کے اموال اور ان کی جانیں ہو گئیں اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے میرے بھائی عمر تم نے جو حدیث پڑھی ہے اس میں سے ایک جملہ آپ بھول گئے ہیں اور وہ جملہ یہ ہے کہ الا بحق الاسلام، یعنی اگر وہ لوگ اسلام کے حق میں کوتاہی کریں گے تو پھر نہیں یعنی پھر ان سے لڑائی لازمی ہے تو کیا زکوٰۃ اسلام کا حق نہیں؟۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے بکری کے ایک بچہ کی (زکوٰۃ کی) ادائیگی بھی روک لی جو کہ وہ نبی ﷺ کے دور میں کرتے تھے تو میں ان سے ضرور لڑوں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا ہے' چناں چہ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اتفاق کرتے ہوئے مرتدین کے خلاف جنگ کی۔ تو یہاں بھی مسئلہ کا حل حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور یہ واقعہ بھی عظمت حدیث اور اس کے واجب العمل ہونے پر بڑی دلیل ہے۔

(۳) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دادی اپنے پوتے کی میراث کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا قرآن نے تو تمہیں کچھ نہیں دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا مجھے علم نہیں' آپ اس وقت چلی جائیں میں اپنے ساتھی صحابہ سے معلومات لینے کے بعد آپ کے لیے کوئی فیصلہ کرسکوں گا' چناں چہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معلومات لیں تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹے حصہ کا حق دار بنایا ہے' چناں چہ آپ نے ان مائی صاحبہ کو بلا کر اس کے مطابق فیصلہ سنا دیا۔

(۴) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حکومتی ارکان کو مستقل طور پر یہ حکم دے رکھا تھا کہ اپنے فیصلہ جات میں ہمیشہ کتاب اللہ کو مقدم رکھیں اور جب کوئی بات کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر سنت رسول یعنی حدیث میں تلاش کریں۔

(۵) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں ایک مسئلہ پیش آیا جس کے حل کے بارہ میں آپ کو علم نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کا حمل کسی شخص کی زیادتی کی وجہ سے گر گیا تھا' آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا، چناں چہ سیدنا محمد بن سلمہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادتی کرنے والے پر ایک غلام یا ایک سولونڈی کا جرمانہ کیا تھا، تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی اتباع کرتے ہوئے اس طرح فیصلہ فرما دیا۔

(۶) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خاوند کی وفات کے بعد اس کی بیوی کے عدت گذارنے کا مسئلہ پیش آیا، آپ کو اس مسئلہ کا علم نہ تھا، صحابہ سے پوچھنے پر سیدنا فریعہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ سنان رضی اللہ عنہا کا واقعہ سنایا، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ سنان رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کا حکم دیا تھا۔ چناں چہ سیدنا عثمان

ذی النورین رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حکم کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔

(۷) اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ پر شراب کی حد قائم کی۔

(۸) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حج تمتع سے منع فرماتے ہیں تو آپ نے حج تمتع کا احرام باندھا اور فرمایا کہ کسی ایک شخص کے کہنے پر میں سنت نبوی کو خیر باد نہیں کہوں گا۔

(۹) حج تمتع ہی کے بارہ میں جب لوگوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اقوال حج افراد کی فضیلت کے بارہ میں بطور دلیل پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ دیکھنا کہیں تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو جائے، میں کہتا ہوں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اور اس کے مقابلہ میں تم سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے اقوال پیش کرتے ہو۔

(۱۰) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک دفعہ درس حدیث دے رہے تھے، تو ایک شخص نے کہا کہ قرآن کریم سے کوئی وعظ ونصیحت فرمایئے، آپ نے سخت غصہ میں فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حدیث مبارکہ ہی تو قرآن کریم کی تفسیر ہے، اگر حدیث مبارکہ کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو پھر تمہیں کیسے معلوم ہوتا کہ ظہر کی چار مغرب کی تین اور فجر کی دو رکعات ہیں اور اس کے علاوہ زکوٰۃ اور دوسرے ارکان اسلام کی تفصیل کیسے معلوم ہوتی۔

(۱۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''**لاتمنعوا اماء الله مساجد الله**'' یعنی تم اللہ کی بندیوں (عورتوں) کو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں آنے سے نہ روکو'' بیان فرمائی تو آپ کا ایک بیٹا کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ہم روکیں گے، اس پر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے پر بہت ناراض ہوئے اس کو زجر وتوبیخ کی اور فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم آگے سے اپنی رائے پر اصرار کرتے ہو کہ ہم عورتوں کو ضرور روکیں گے۔

ان کے علاوہ بھی بیسیوں ایسے مزید واقعات بیان کیے جا سکتے ہیں لیکن یہاں اصل مقصد صرف اس بات کو واضح کرنا ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کو اہمیت نہیں دیتے اور اس کے مقابلہ

میں امت کے لوگوں کے اقوال وآراء پیش کر کے اپنے لیے سہولت کے راستہ متعین کر لیتے ہیں اور بقول ان کے کہ قیامت کے دن فرائض کے بارہ میں پوچھ گچھ ہوگی' مثلاً جیسے نماز کی سنتیں ہیں' ایسے لوگوں کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی ظہر کی نماز کے بعد کی دوسنتیں رہ گئی تھیں تو آپ نے عصر کے بعد یاد آنے پر ان کو ادا کیا تو پھر ایسے لوگوں کو احادیث نبویہ کو چھوڑنے یا ان پر عمل نہ کرنے کی کونسی دلیل باقی رہ جاتی ہے۔ اگر ان سنتوں کی اہمیت نہ ہوتی جیسا کہ آج کل بعض مسلمانوں کا عمل ہے کہ وہ صرف نماز کے فرائض ادا کر کے سبکدوش ہوجاتے ہیں تو کیا نبی ﷺ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم یا پھر ائمہ دین، محدثین و مفسرین رحمہم اللہ کے افعال سے یہ ثابت ہے اور اگر نہیں اور حقیقتاً بھی ایسا نہیں ہے تو اب ایسے لوگوں کے پاس اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنا چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سورہ نور کے اندر ہے "لوگوں کو چاہیے کہ وہ میرے رسول کے حکم کی مخالفت سے باز آجائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ (رسول کی مخالفت کرتے ہوئے) ان پر کوئی آزمائش ومصیبت آجائے (اگر وہ اسی ڈگر پر اپنی زندگی بسر کرتے ہوئے مرگئے) تو پھر آخرت میں ان کے لیے دردناک قسم کا عذاب ہے۔ اسی مضمون کی قرآن کریم کی اس کے علاوہ مزید آیات بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ بھی تدبر وفکر کریں جو نبی ﷺ کی حدیث کے مقابلہ میں کسی کی رائے یا کسی کے اجتہاد کو پیش کرتے ہیں اور خود کو اس شخص پیروکار سمجھتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے امام کی تقلید لازم ہے (جبکہ اس امام یا بزرگ نے ان کو اپنی تقلید کے لیے نہیں کہا) اور ہم اپنے امام کے علاوہ کسی کی بات کو نہیں سمجھ سکتے تو ایسے لوگ بھی انکار حدیث پر عمل پیرا ہیں۔

ان سے ہٹ کر ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ حدیث پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ آج اتنا عرصہ گذرنے کے بعد ہمیں کیا معلوم کہ احادیث کے ساتھ کیا کچھ کیا گیا ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے' وہ یہ بتائیں کہ قرآن حکیم میں نماز کی رکعات کی تعداد، زکوٰۃ کتنے مال پر، کتنے عرصہ بعد اور کتنے فیصد ادا کرنا ہے، کیا زندگی بھر میں ایک مرتبہ یا دس سال یا پچاس میں ایک

مرتبہ؟ اس کے علاوہ قرآن حکیم کے منزل من اللہ ہونے کی ان کے پاس کون سی دلیل ہے اگر دلیل یہی ہے کہ نبی ﷺ پر اس کا نزول ہوا اور ہم تک اس کے پہنچانے کا آپ ہی ذریعہ ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جن کے واسطہ سے قرآن حکیم ہم تک پہنچا ہے اس کو تو درست اور صحیح تسلیم کریں اور انہی کے واسطہ سے اگر نبی ﷺ کی حدیث ہم تک پہنچے تو اس میں شکوک وشبہات پیدا کر کے ان سے کنارہ کشی کر لیں اور امت کو یہ درس دیں کہ حدیث کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی یہ قابلِ حجت ہے، اب اگر حدیث قابل حجت نہیں تو پھر قرآن کریم پر عمل کس لیے کریں، کیوں کہ یہ بھی تو ہادی عالم ﷺ کے فرمانے سے ہی ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کلام اللہ ہے آپ کے ایک قول کو ماننا اور دوسرے کو چھوڑ دینا کیا ''اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' کا یہی معنی ہے اور اگر نہیں اور حقیقتاً نہیں تو پھر اس بات سے مطلع کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کون سی وہ اطاعت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی اطاعت کا حکم دیا ہے؟۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے صرف قرآن حکیم لوگوں تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا اور وہ بھی صرف الفاظ کی شکل میں تو کیا اللہ تعالیٰ جو کل کائنات کا خالق ہے وہ یہ کام خود نہیں کر سکتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کا القاء کر دیتا یا کوئی بھی اور طریقہ اپنا لیتا' اس سے کون باز پرس کر سکتا ہے، جو زمین آسمانوں کو پیدا کر کے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے تو کیا وہ اس معمولی سے انسان میں اس کا القاء وغیرہ نہیں کر سکتا تھا؟۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون اگر اسی قرآن کریم کی آیت ہے جو نبی ﷺ کی زبانی ہم تک پہنچا ہے تو اسی نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا یہ بھی فرمان ہے کہ الا انی اوتیت القرآن ومثله معه، اگر قرآن حکیم کی آیت صحیح ہے تو پھر آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی صحیح ہے اگر اس فرمان کو درست نہیں مانتے تو پھر آیت کو کس طرح اور کیسے درست مانا جا سکتا ہے کیوں کہ زبان وہی ہے جس سے یہ آیت ادا ہوئی اور اس زبان کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ وما ینطق عن الھویٰ اس میں یہ نہیں کہا کہ جو وہ قرآن حکیم کے الفاظ بیان کرے

بلکہ یہاں مطلق آپ کے بولنے کو کہا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت ان ھو الا وحی یوحیٰ اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ جو بھی نبی کی زبان سے ادائیگی ہوتی ہے وہ اس کی اپنی بات اور اپنی خواہش نہیں ہوتی بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے کیوں کہ رسول علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے ایک مستقل مطاع اور مبلغ کی حیثیت سے ہوتا ہے جو شریعت کے مقاصد اور اس کی حدود وغیرہ کی مکمل طور پر وضاحت کرتا ہے اور اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو جس چیز کی دلیل اور وضاحت قرآن کریم میں نہیں ملتی تھی تو وہ اس کے سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں بھی متعدد مقامات پر اس کی مثال موجود ہے کہ رسول اکرم ﷺ خود قرآن کریم کے شارح ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○

(سورۃ النحل۔ آیت ۴۴)

یعنی ”ہم نے آپ کی طرف قرآن حکیم اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کو ان لوگوں کے لیے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں، ہوسکتا ہے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔“

دوسرے مقام پر رب العزت کا فرمان ہے۔

وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (سورۃ النمل آیت نمبر ۶۴)

”اور ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اس لیے بھیجی ہے کہ جس چیز میں انہوں نے اختلاف کیا ہوا ہے آپ اس کی وضاحت کر دیجئے اور یہ کتاب ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور کامل رحمت ہے۔“

ان دونوں آیات کا پس منظر واضح ہے کہ نبی ﷺ کے قول و عمل کو سامنے رکھے بغیر قرآن کریم کے مجملات کا سمجھنا ناممکن ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا قول و فعل ہی اس کی تشریح و توضیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم کرنا بھی واجب قرار دیا ہے،

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○ (النسآء: آیت ۶۵)

تو (اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم وہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم اور آپ کے کیے ہوئے فیصلوں کو اس طرح نہ مان لیں کہ وہ اپنے دلوں میں خلش تک نہ پائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ اپنے رسول محمد ﷺ کو قرآن مجید سکھلانے کے ساتھ ساتھ حکمت بھی ہم نے ہی سکھلائی ہے اور دین کی تکمیل بھی انہی دو چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (آل عمران: آیت نمبر ۱۶۴)

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ انہی میں سے ان میں ایک ایسا رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں صرف کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جس سے پہلے کہ یہ لوگ حقیقتاً واضح گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں بھی اس چیز کی وضاحت ہے کہ نبی ﷺ کا وجود اطہر تمام دنیا کے لیے نعمت عظمیٰ ہے اور یہاں مومنوں کو جو خاص کیا ہے تو وہ صرف استفادہ کے اعتبار سے ہے اور دوسرا اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ ہم نے آپ کو حکمت بھی دی ہے جس کے متعلق جمہور علماء محققین کا موقف ہے کہ اس سے مراد نبی ﷺ کی سنت (حدیث) ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے شریعت کے احکام اور دین متین کے اسرار بخوبی واضح کر دیتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن حکیم کی مخالفت کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی ہے تو اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے حکم خلاف ورزی کرنے والوں کو بھی عذاب الیم کی بھی وعید سنائی

ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (النور: ٦٤)

یعنی جولوگ آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں تو کیا وہ اس چیز سے نہیں ڈرتے کہ دنیا میں ہی ان پر کوئی مصیبت وآزمائش (کا عذاب) آجائے یا (پھر آخرت) میں انہیں تکلیف دینے والا عذاب پہنچے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا ہے کہ جو میرے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ کفر کو پہنچ جاتا ہے۔

رب کریم کا فرمان ہے

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ○

(آل عمران: ٣٢)

(اے نبی ﷺ ان لوگوں کو) کہہ دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی اطاعت کرو، تو اگر تم نے روگردانی کی تو (پھر یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

اور اس سے بھی آگے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ہر حکم کی مخالفت سے منع کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عظیم ہے

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا○(الاحزاب:٣٦)

کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ زیب نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی چیز کا حکم دیں تو وہ اس میں اپنی مرضی پر اتر آئیں اور (یاد رکھو) جس نے (بھی) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ واضح طور پر گمراہ ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرماتے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی مجلس میں بیٹھا ہو تو وہ نبی کی اجازت کے بغیر اٹھ کر چلا جائے کیوں کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

فرمان الٰہی ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (النور:٦٢)

یقیناً مومن لوگ تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے ساتھ کسی اہم مجمع میں ہوتے ہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر اٹھ کر بھی نہیں جاتے ،تو جو لوگ آپ سے اجازت لیکر (مجمع) سے جاتے ہیں (تو حقیقت میں) یہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں۔ چناں چہ وہ جب بھی آپ سے اپنے کسی بھی ذاتی کام کے لیے اجازت مانگیں، تو جس کے لیے آپ پسند کریں اسے اجازت دیدیں اور اس کے لیے دعائے مغفرت بھی کریں یقیناً اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو ایمان کے واجبات تو یہ ہیں کہ نبی ﷺ کی مجلس میں سے آپ کی اجازت کے بغیر اٹھ کر بھی نہیں جانا چاہیے تو وہ لوگ جو آپ کا حکم چھوڑ کر غیروں کے اقوال وافعال اوران کے مذاہب (مسالک) کی طرف بھاگتے ہیں تو وہ خود ہی اپنی گمراہی کا اندازہ لگائیں کہ وہ کہاں تک دین محمدی سے دور جاچکے ہیں اور یہ چیز بھی ذہن نشین کرلیں کہ غیر کی بات کا ماننا بھی آپ ﷺ کی اجازت پر منحصر ہے اگر آپ نے دی اجازت تو پھر تو ٹھیک ہے ورنہ وہ بھی روز روشن کی طرح (واضح اور سراسر) گمراہی ہے۔ (اعلام الموقعین)

آج ہم اپنا جائزہ لیں کہ مسلمان ہونے کے باوجود ہم میں سے کچھ لوگ اپنی نسبت نبی ﷺ کو چھوڑ کر غیروں کی طرف کرتے ہیں اور ایسی باتوں پر عمل کرتے ہیں کہ جو واضح طور پر نبی ﷺ کے فرامین کے خلاف ہیں لیکن اس کے باوجود پھر بھی وہ خود کو اسلام کے دعویدار سمجھتے ہیں، معلوم

نہیں کہ انہیں نبی ﷺ میں کون سی خامی نظر آئی (نعوذ باللہ) جو انہوں نے احادیث نبوی کی مخالفت کو اپنا طریقہ بنا رکھا ہے اور ہر صحیح حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے مقابلہ میں ضعیف اور موضوع روایات پر اپنے مذہب کی کھوکھلی بنیاد پر محلات کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے۔

یاد رکھیے کہ صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے ضعیف اور موضوع روایات کا سہارا لینا، ان پر عمل کرنا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا واضح کھلم کھلا گمراہی، تباہی اور بربادی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں (اعاذنا الله منها) حدیث کے بارہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والے کہتے ہیں کہ جب اس میں ضعیف اور موضوع روایات کا ہونا بھی عاملین حدیث کو تسلیم ہے تو پھر کس طرح حدیث کو عمل میں لایا جاسکتا ہے جب کہ یہ محفوظ نہیں ہیں اور جبکہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے؟۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جس طرح قرآن کریم وحی ہے اسی طرح حدیث بھی وحی ہے، اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کیوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو تغیر وتبدل سے محفوظ رکھا ہے۔ اسی طرح علماء نقاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کا بھی مکمل انتظام فرمایا ہے، ہر دور میں علماء کرام حدیث کی حفاظت کے لیے سینہ سپر رہے۔ انہوں نے شکوک و شبہات اور باطل پسندوں کی تحریف سے اس کی ہر مقام پر مدافعت کی جہاں بھی ان فتنہ پسندوں نے سر اٹھایا تو وہاں ہی انہوں نے جہلاء کی رکیک تاویلات کے جوابات بھی دیئے اور جاہل کذاب اور مفتری قسم کے لوگوں نے جس انداز، جس طریق، جس طرح اور جس طرف سے بھی سنت مقدسہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو یہ علماء کرام اسی زاویہ سے ان کی سرکوبی اور ان کے دفاع کے لیے وہاں پہنچے اور انہوں نے سنت مقدسہ کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑاتے ہوئے ان لوگوں کو ہر محاذ پر شکست سے دوچار کیا اور یہ کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں حدیث نبوی کو قرآن کریم کی تفسیر کرنے والی اور اس مجمل احکامات کو وضاحت کرنے والی بنایا ہے تو وہاں اس کے بارہ میں بعض ایسے احکام بھی بیان فرمائے ہیں کہ جن پر نص قرآنی ناطق نہیں تھی۔

احکام رضاعت، احکام مواریث اور نکاح کے بعض احکامات کی تفصیل اور اسی طرح بہت سارے دوسرے مسائل قرآن حکیم میں کہاں ہیں؟ یہ تو صرف احادیث سے صحیحہ سے ہی ہمیں ملتی ہیں۔ امید ہے کہ ضعیف اور موضوع کی حقیقت بھی سمجھ میں بیٹھ گئی ہوگئی۔

نبی ﷺ کی اطاعت کا واجب ہونا مطلق ہے، مقید نہیں' کیوں کہ جس طرح آپ کی زندگی میں آپ کی اطاعت فرض تھی اسی طرح ہی آپ کی وفات کے بعد بھی فرض ہے اور نصوص شرعیہ جو آپ کی اطاعت پر دلالت کرتی ہیں ان میں کسی وقت یا کسی زمانہ یا آپ کی زندگی یا آپ کی وفات کی قید نہیں لگائی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق طور پر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو آپ کی اطاعت کا پابند کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)

''اور رسول جو تمہیں دے اسے پکڑ لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:۵۹)

''پس اگر کسی چیز میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔''

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے نبی ﷺ کے کہنے کے مطابق آپ کی وفات کے بعد بھی کسی صورت میں آپ کی تعلیمات عالیہ انحراف نہیں کیا بلکہ انہوں نے سنت کو اسی طرح تھام لیا جس طرح کوئی چیز ڈاڑھوں کے نیچے رکھ کر مضبوطی سے تھام لی جاتی ہے۔ اور پھر جس شخص کے بارہ میں نبی ﷺ خبر دی کہ ہوسکتا ہے میرے بعد کوئی آدمی یہ دعویٰ کرے کہ بس ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی کافی ہے اور جس چیز کو کتاب اللہ نے حلال کیا ہے اس کو حلال سمجھیں گے اور جس چیز کو اس نے حرام کیا ہے اس کو حرام سمجھیں گے (تو اے امت مسلمہ) خبردار تم نے ایسے آدمی کی بات کبھی نہیں سننا' کیوں کہ جس چیز کو میں نے حرام کیا ہے وہ بھی اللہ

تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی طرح ہے اور جس چیز کو میں نے حلال بتایا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کی طرح ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے شخص کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زمین پر دے مارا اور اس کی کوئی بات تک نہیں سنی کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ کی تعلیمات عالیہ بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس سے ہم کسی بھی صورت میں بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ آج امت مسلمہ پر حدیث کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں پہلے سے بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کیوں کہ آج تقریباً ہر طرف سے حدیث پر حملے کیے جا رہے ہیں، غیر تو کریں سو کریں' افسوس تو اس بات پر ہے کہ بہت سے لوگ' بزعم خود نام نہاد علماء مفکر، دانشور اور نہ معلوم کس کس بھیس میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر امت مسلمہ کی تباہی و بربادی کا ٹھیکہ لیے ہوئے ہیں اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ امت مسلمہ تفرقہ بازی کا شکار ہو کر تباہی کی طرف چل رہی ہے۔ یہ تمام تباہی اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن حکیم کے اندر انہوں نے عقلی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے ہیں اور سنت یعنی حدیث رسول کی تو ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں اور اگر ہے تو وہ صرف اتنی کہ امت مسلمہ کو دھوکہ دینے کے لیے کہیں کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی تعریف کر دیتے ہیں کہ مخالفت رسول کا الزام نہ آئے۔

انسان کے گمراہ ہونے کے جو اسباب ہیں وہ دین میں نئے کاموں کا پیدا کرنا ہے اور ان کا سبب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے برعکس انسان کی خود اپنی رائے ہے جو نص صریح کے سراسر خلاف ہے۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رائے ہے تو وہ تو یقیناً وحی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دکھا دیتا تھا، لیکن جو ہماری رائے ہے تو وہ تو صرف اور صرف ظن اور تکلف ہے لہٰذا' اے لوگو تم اپنی رائے کے پجاریوں سے خاص طور پر بچو کیوں کہ وہ سنت کے دشمن ہیں، ان کو سنت نے عاجز کر دیا ہے کہ وہ ان کو محفوظ کریں، تو پھر اس وقت انہوں نے اپنی رائے سے فتوے دیئے جس وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی انہوں نے گمراہ کر دیا۔ (قول عمر بن الخطاب، اعلام الموقعین)

حدیث کے حجت ہونے پر تابعین اور ائمہ کرام کا موقف

(۱) امام بیہقی رحمہ اللہ نے مشہور جلیل القدر تابعی ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے مسئلہ بتاؤ اور وہ قرآن کریم سے مسئلہ پر اصرار کرے اور کہے کہ ہمیں حدیث کی ضرورت نہیں تو تم اسے گمراہ سمجھنا۔

(۲) امام اوزاعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حدیث رسول قرآن کریم پر فیصل ہے کیوں کہ یا تو وہ قرآن کریم کے کسی مطلق حکم کو مقید کر رہی ہوگی یا پھر کوئی ایسا حکم بیان کر رہی ہوگی جو قرآن کریم میں نہ ہوگا، کیوں کہ قرآن حکیم کہہ رہا ہے کہ

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۝

(النحل ۴۴)

''ہم نے آپ پر قرآن اس لیے اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اتاری گئی چیز کی توضیح فرمائیں اور تاکہ وہ لوگ غور فکر کر سکیں۔''

اور حدیث رسول ہے۔

الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ۔

''یعنی خبردار مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسا اور کلام بھی۔''

(۳) امام اوزاعی رحمہ اللہ اپنے ایک شاگرد سے فرما رہے تھے کہ جب نبی ﷺ کی کوئی حدیث تم تک پہنچ جائے تو دیکھنا کہ اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص کے قول، رائے یا اجتہاد کو ترجیح نہ دینا، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کی حیثیت ایک مبلغ کی ہے (یعنی آپ ﷺ جو کچھ بھی فرمائیں گے وہ آپ کی اپنی رائے سے نہ ہوگا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہی ہوگا۔ اس لیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ظاہر ہے کہ رسول اپنے بھیجنے والے کا پیغام ہی لوگوں تک پہنچائے گا نہ کی اپنی رائے کو)۔

(۴) امام عامر شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب سے تم نے آثار کا تتبع چھوڑ دیا ہے تم اس وقت سے گمراہ ہو گئے ہو۔

(۵) سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آثار کا علم ہی پورا علم ہے (یعنی احادیث کے علاوہ کسی اور چیز کا نام علم نہیں)۔

(۶) امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہر شخص کا قول یا تو کسی شخص کے قول کا رد ہوتا ہے یا پھر کسی دوسرے شخص کا قول اس کو رد کر سکتا ہے' پھر امام مالک رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر کسی قول رد نہیں کیا جا سکتا تو وہ صرف اس قبر والے کی ذات اقدس ہے۔

(۷) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو سر آنکھوں پر ''اذا صح الحدیث فھو مذھبی '' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین حضرات جو کہ ضعیف اور موضوع روایات کے سہارے چل رہے ہیں ان سے مودبانہ گزارش ہے کہ وہ امام صاحب رحمہ اللہ کے اس قول میں غور وفکر کریں۔

(۸) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح روایت مجھ تک پہنچ جائے اور میں اسے قبول نہ کروں تو سن لو میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ سمجھ لینا میری عقل میں فتور آ گیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ بھی قول ہے کہ جب میں کوئی بات کہوں اور تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس کے خلاف ملے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارنا۔

(۹) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے ایک شاگرد کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' خبردار! ہرگز تم میری تقلید نہ کرنا اور نہ مالک وشافعی رحمہ اللہ کی ہی تقلید کرنا بلکہ تم بھی اسی صافی چشمہ سے مسائل اخذ کرنا جس چشمہ (یعنی حدیث رسول) سے ہم سیراب ہوتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ بھی قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر سخت تعجب ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہے، اس کی اسناد سے وہ واقف ہیں اور اس کی صحت سے بھی باخبر ہیں، لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو چھوڑ کر کہتے ہیں کہ سفیان ثوری نے یہ فرمایا۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیا ان کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد نہیں۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ

اَلِیْمٌ۔o (النور: ۶۴)

''یعنی جو لوگ آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں تو کیا وہ اس چیز سے نہیں ڈرتے کہ ان پر دنیا میں ہی ان پر کوئی مصیبت و آزمائش (کا عذاب) آجائے یا (پھر آخرت) میں انہیں تکلیف دینے والا عذاب پہنچے۔''

امام صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس آیت میں لفظ فتنة سے کیا مراد ہے؟ پھر خود ہی جواب میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شرک ہے کیوں کہ عین ممکن ہے کہ جب کوئی شخص نبی ﷺ کی ایک حدیث کو رد کردے گا تو اس کے دل میں اس مخالفت کی وجہ سے گمراہی گھر کر جائے اور پھر یہی چیز اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے (یعنی جو شخص رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی بات کو ترجیح دیتا ہے تو اس سے کوئی بعید نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں بھی کسی دوسرے کو لے آئے اور جب وہ ایسا کرے گا تو پھر یقیناً وہ مشرک ہوگا)۔

آیت فلیحذر الذین کی تفسیر میں علماء کے اقوال:

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں علماء سلف کہا کرتے تھے کہ سنت کو مضبوطی سے تھامنے ہی میں نجات ہے۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ اپنی کتاب روضۃ الناظر میں احکام کے اصول بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''احکام کے دلائل کا دوسرا اصول سنت ہے اور نبی ﷺ کا فرمان حجت کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ جہاں آپ کے صدق (سچا ہونے) پر معجزات دلالت کرتے ہیں، وہاں اللہ رب العزۃ نے نبی ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی مخالفت سے لوگوں کو ڈرایا بھی ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''امرہٖ'' سے نبی ﷺ کا امر (حکم) ہے اور وہ آپ ﷺ کا راستہ، قانون، طریقہ، اور شریعت ہے۔

تو لہٰذا اس آیت پر عمل کرتے ہوئے علماء امت کے اقوال و اعمال کا نبی اکرم ﷺ کے اقوال و اعمال سے موازنہ کیا جائے گا اور جو اعمال و اقوال آپ کی سنت کے مطابق ہونگے وہ

قابل قبول ہونگے اور جو اعمال واقوال آپ کی سنت کے خلاف ہوں گے تو وہ مردود اور نا قابل قبول ہونگے خواہ ان کا قائل و فاعل کسی بھی مرتبہ کا شخص کیوں نہ ہو۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے''من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد ''(متفق علیہ)
یعنی ہمارے طریقہ کے خلاف جس شخص نے بھی کوئی کام کیا تو وہ مردود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی شریعت کی واضح یا مخفی طور پر مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر آزمائش نہ آجائے یعنی ان کے دل میں کفر، نفاق یا بدعت گھر نہ کر جائے یا ان پر عذاب نہ آجائے یعنی دنیوی عذاب مثلاً قتل، حد، تعزیر یا اس جیسی کوئی اور چیز۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر رحم فرمائے، تمہیں یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ معروف اصول کے شرائط پوری کرنے والی حدیث کے حجت ہونے کا انکاری شخص نہ صرف یہ کہ کافر اور دائرہ اسلام سے ہی خارج ہے بلکہ روز محشر اس کا حشر یہود و نصاریٰ یا کفار کے کسی فرقہ کے ساتھ ہوگا۔(اللهم لاتجعلنا منهم)

سنت کے انکاری کا حکم

آج کے دور میں دشمنان اسلام اور ان کے سرداروں کی طرف سے حدیث کو نہ ماننے کی جس تحریک نے سر اٹھایا ہے یہ صرف مغرب میں ہی نہیں بلکہ ہر طرف سے اس تحریک نے اپنے پر پرزے نکال لیے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ چند لوگ ہی ان خیالات کے حامل ہیں بلکہ نئے اور پرانے گروہ مل کر ایسے باطل خیالات کا پرچار کرنے میں مگن ہیں اور شیطان صحیح معنوں میں ان پر قابو پا چکا ہے اور ان کی عقل اور دماغ کو مسخ کر کے ان پر اپنا پورا کنٹرول حاصل کر چکا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہر دور میں ہوا ہے کہ جب بھی حق کا پرچار شروع ہوا تو باطل بھی اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ حق کے مقابلہ پر اتر آیا اور مختلف بھیس بدل کر اور روپ دھار کر حق سے معرکہ آراء ہوا اور اللہ تعالیٰ کی بھی شروع سے یہی سنت چلی آرہی ہے کہ وہ حق کی مدد کرتا اور باطل پر کاری ضرب لگا کر اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۔(الانبیاء:۱۸)

''بلکہ جب ہم حق کو (پتھر کی طرح) باطل پر مارتے ہیں تو وہ اس کا سر کچل دیتا ہے پھر وہ اچانک ختم ہو جاتا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سنت کا انکار کرتا ہے وہ جاہل ہے جسے تعلیم کی ضرورت ہے یا پھر وہ حدیث نبوی کا دشمن ہے جس پر توجہ کی ضرورت ہے اور جو شخص واضح طور پر اور علی الاعلان سنت کا انکار کرتا ہے تو وہ مرتد ہے اور اس نے کلی طور پر اسلام کو خیر باد کہہ دیا ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس آدمی نے بھی نبی ﷺ کے کسی قول و فعل کا خواہ وہ کسی بھی مسئلہ سے ہو بشرطیکہ دین کے معاملہ سے ہو انکار کیا تو وہ دائرہ سے نکل گیا اور اس کا حشر یہود و نصاریٰ اور کفار کے جس گروہ سے اللہ تعالیٰ چاہے گا ہوگا۔ (مفتاح الجنۃ بالاحتجاج بالسنۃ)

امام ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مسلمان کے لیے توحید کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اسی طرح تنازعہ کے وقت بھی قرآن کریم اور حدیث نبوی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ لہٰذا جب بھی ان دونوں سے تمہیں کوئی چیز ملے تو اس کا انکار نہ کرنا ورنہ اس روگردانی کرنے والے پر حجت قائم ہو جائے گی جس سے وہ یا تو فاسق ہو جائے گا اور اگر اس کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ بھی کوئی آدمی کسی تیسری چیز کی پیروی کر سکتا ہے اور کتاب و سنت سے نکل جانا بھی صحیح ہے تو وہ کافر ہے جس کے کافر ہونے میں ہمیں کوئی شک نہیں۔

(الاحکام فی اصول الاحکام)۔

(حافظ) عبدالخبیر اویسی

۱۸-۰۶-۲۰۰۸

①

پہلا رسالہ

اسلام میں

سنتِ نبوی کا مقام

اور

صرف قرآن کریم پر اکتفا کی تردید

اسلام میں سنت نبوی کا مقام اور صرف

قرآن کریم پر اکتفا کی تردید

-قرآن کریم سے سنت کا تعلق:

یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبوت و رسالت کے شرف سے مشرف فرمایا، اور آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل فرمایا، قرآن میں آپ ﷺ کو جن باتوں کا حکم دیا گیا ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ اس قرآن کو لوگوں کے سامنے بیان فرما دیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۔ (النحل ۴۴)

اور ہم نے (اے محمد ﷺ) تیری طرف نصیحت کی بات اسی لیے اتاری ہے تا کہ جو کچھ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اترا ہے تو اس کو واضح کر کے بیان کر دے۔

میرے خیال میں اس آیت کریمہ میں جس بیان کا ذکر ہے اس کے دو پہلو ہیں:

① ...... لفظ و نظم کا بیان ہو، یعنی نبی، قرآن کریم کو جس طرح کہ وہ نازل ہوا اسے اسی طرح امت تک پہنچا دیں اور کسی حصہ کو چھپا نہ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (المائدہ ۶۷)

اے رسول جو کچھ تیری طرف تیرے پروردگار کے ہاں سے اترا ہے (اسے لوگوں تک) پہنچا دے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مذکورہ آیت کی تلاوت سے پہلے فرمایا کہ: جو تم سے یہ کہے کہ محمد ﷺ نے تبلیغ کی کوئی بات چھپالی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ

باندھ رہا ہے۔(بخاری ومسلم)

مسلم کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جن باتوں کی تبلیغ کا حکم تھا ان میں سے کسی بات کو اگر آپ ﷺ چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ...... (الاحزاب:۳۷) [1]

''جب تو اس شخص کو جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام تھے اور تو نے بھی انعام کیے تھے کہہ رہا تھا کہ تو اپنی بیوی کو رہنے دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا تھا جسے اللہ تعالیٰ (آخرکار) ظاہر کرنے والا تھا (اس کے اظہار کرنے میں) لوگوں سے خوف کرتا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف کرنا چاہیے۔

(۲)...... دوم یہ کہ لفظ یا جملہ یا آیت کے اس مفہوم کا بیان جس کی امت کو ضرورت ہے' ایسا عام طور پر ان آیات میں ہوتا ہے جو مجمل یا عام یا مطلق ہوں اور پھر سنت کے ذریعہ ان کی توضیح یا تخصیص یا تقیید ہو' وہ سنت خواہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری۔

فہمِ قرآن کے لیے سنت کی ضرورت اور اس کی مثالیں

اس کی سب سے بہتر مثال درج ذیل آیت ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا (المائدہ:۳۸)

''چور مرد ہو یا عورت ان کے (دائیں) ہاتھ کاٹ دیا کرو۔''

اس آیت میں لفظ (سارق) اور (ید) دونوں مطلق ہیں۔

نبی ﷺ کی ایک قولی حدیث میں جسے بخاری ومسلم نے ذکر کیا ہے' یہ تشریح کی گئی ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زائد مال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسی طرح فعلی حدیث سے

---

[1] مسلم۔۲۸۸/۱۷۷

یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کلائی کے پاس سے ہاتھ کاٹتے تھے۔

تیمم کی آیت میں (ید) کا جو لفظ آیا ہے اس کی وضاحت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے بخاری، مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ ید سے ہتھیلی مراد ہے:

اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ۔ (الحدیث) [1]

''تیمم ایک ضرب ہے، چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے لیے''

ذیل میں وہ آیات درج کی جاتی ہیں جن کا صحیح مفہوم سنت کے بغیر متعین نہیں ہو سکتا:

① ..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الانعام:۸۲)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے بچاتے رہے ان ہی کو امن ہوگا اور وہ ہی راہ راست پر ہیں۔''

اس آیت میں (ظلم) کے لفظ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے عام مفہوم پر محمول کرتے ہوئے یہ سمجھا کہ ہر چھوٹا بڑا ظلم مراد ہے، جس سے انہیں اشکال پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ایسا ہے جس کے ایمان میں ظلم کا شائبہ نہیں؟ تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کا عام مفہوم مراد نہیں، بلکہ اس سے شرک مراد ہے، کیا تم کو لقمان کا قول معلوم نہیں کہ (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ [لقمان:۱۳]) یعنی شرک بڑا ظلم ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

② ..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ○ (النسآء:۱۰۱)

''جب تم زمین میں سفر کرنے کے لیے نکلو تو تمہیں نماز کا قصر کرنا جائز ہے اگر تمہیں

---

[1] بخاری کتاب التیمم ۳۳۸تا۳۴۳، ۳۴۵تا۳۴۷ مسلم کتاب الحیض ۳۶۸/۱۱۰تا۱۱۳

ڈرہو کہ کافر تم کو ستائیں گے۔"

آیت کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم خوف کے ساتھ مشروط ہے، اسی لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اب ہم امن کے بعد کیوں قصر کرتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر صدقہ ہے، لہٰذا اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ ❶

③ ...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ۔ (المآئدہ:۳)

"مردہ جانور اور خون تمہارے اوپر حرام ہے۔"

قولی حدیث میں یہ بیان کیا گیا کہ ٹڈی و مچھلی خواہ مردہ ہوان کا خون یعنی کلیجی و جگر حلال ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال ہیں، یعنی ٹڈی و مچھلی اور کلیجی و جگر، ❷ اس حدیث کو بیہقی وغیرہ نے مرفوع و موقوف روایت کیا ہے، اور موقوف کی سند صحیح ہے، اور یہ مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ ایسی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔

④ ...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۔ (الانعام:۱۴۵)

"تو کہہ کہ میں تو اپنی الہامی کتاب میں کسی کھانے والے کے حق میں جو کھانا چاہیے سوائے خود مردہ جانور اور خون ذبح کے وقت بہنے والے اور خنزیر کے گوشت کے کوئی چیز حرام نہیں پاتا، پس یہ سب حرام (اور ناپاک ہیں) اور وہ گناہ کی چیز جو غیر اللہ کے نام سے پکاری جائے۔"

پھر حدیث کے ذریعہ کچھ دوسری چیزوں کو بھی حرام قرار دیا گیا جن کا اس آیت میں ذکر نہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

---

❶ (مسلم٤/٦٨٦) ❷ ابن ماجه الاطعمه ٣٣١٤

كُلُّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَكُلُّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ حَرَامٌ ۔ [1]

''دانت والا ہر درندہ اور پنجوں والا پرندہ حرام ہے۔''

کچھ دوسری احادیث میں بھی اس سے روکا گیا ہے۔

خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَنْهَيَانِكُمْ عَنِ الْحُمُرِ الْاِنْسِيَّةِ فَاِنَّهَا رِجْسٌ [2]

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ تم کو گھریلو گدھوں کے کھانے سے منع فرماتے ہیں، کیونکہ وہ گندے ہیں۔''

⑤..... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ○ (الاعراف: ۳۲)

''تو کہہ جس زینت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا اس کو اور پاکیزہ رزق کو کس نے حرام کیا ہے؟''

حدیث میں زینت کی بعض چیزوں کو حرام بھی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ایک روز نبی ﷺ صحابہ کے سامنے تشریف لائے، آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے میں سونا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کے لیے [illegible] عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ [3]

اس مفہوم کی احادیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہیں۔

مذکورہ مثالوں سے اسلامی شریعت میں سنت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ یقین بھی ہو جاتا ہے کہ سنت کے بغیر قرآن کریم کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔

---

[1] بخاری، الطب ۵۷۸۰ـ۵۷۸۱ مسلم، الصید والذبائع ۱۹ ۳۳/ ۱۵

[2] (بخاری ۵۵۲۸ کتاب الذبائح والصیلہ و مسلم ۳۴/ ۱۹۴۰ کتاب الصید والذبائح)

[3] (بخاری ۵۸۳۰، ۵۸۳۷ کتاب اللباس، و مسلم ۲۰۶۷، ۲۰۶۸ کتاب اللباس)

چنانچہ پہلی آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظلم سے اس کا ظاہری مفہوم سمجھا تھا، جب کہ وہ بقول سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ امت میں سب سے افضل، نیک دل اور گہرے علم والے شخص تھے، ان اوصاف کے باوجود اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رہنمائی کرتے ہوئے یہ بیان نہ فرمایا ہوتا کہ ظلم سے شرک مراد ہے تو ہم بھی غلطی میں ان کی پیروی کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے ذریعہ ہمیں محفوظ رکھا۔

دوسری مثال میں غور کیجیے! اگر مذکورہ حدیث نہ ہوتی تو بحالت امن نماز قصر کرنے میں ہم شبہ کا شکار رہتے، خواہ آیت کے ظاہر کے اعتبار سے خوف کی شرط نہ لگائیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن کی حالت میں قصر کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو وہ بھی خوف کی شرط والا مفہوم ہی سمجھتے۔

تیسری مثال دیکھیے، اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم ان حلال اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دے دیتے مثلاً: ٹڈی، مچھلی، کلیجی اور جگر۔

چوتھی مثال لیجیے، اگر احادیث وارد نہ ہوتیں تو درندوں اور جنگل کے جانوروں کو ہم حلال سمجھ لیتے۔

اسی طرح پانچویں مثال میں غور کیجیے، اگر احادیث نہ ہوتیں تو حرام کیے ہوئے سونے اور چاندی کو ہم حلال سمجھ لیتے۔

اسی وجہ سے سلف میں سے بعض علما کا قول ہے کہ: سنت، قرآن کریم کا فیصلہ کرتی ہے۔

سنت کو چھوڑ کر قرآن کریم پر اکتفا کرنا گمراہی ہے

باعث افسوس ہے کہ بعض مفسرین اور معاصر لکھنے والوں نے صرف قرآن کریم پر اعتماد کرتے ہوئے آخری دو مثالوں میں مذکور اشیا یعنی درندوں کے گوشت اور سونے چاندی کے پہننے کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ اس وقت ''اہل قرآن'' نامی ایک جماعت وجود میں آئی ہے جو عقل وخواہش کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کرتی اور صحیح احادیث کو نظرانداز کر دیتی ہے، سنت کے باب میں اس کا یہ رویہ افسوسناک ہے کہ جو حدیث خواہش کے مطابق ہوتی ہے اسے تو قبول کر لیتی ہے، اور جو موافق نہیں ہوتی اسے پس پشت ڈال دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید ذیل کی صحیح حدیث

میں نبی ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَاْتِيْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِيْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْنَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ مَاوَجَدْنَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ۔ ❶

نبی ﷺ نے فرمایا کہ

میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی چارپائی پر ٹیک لگائے ہوئے ہے اور اس کے پاس میرے اوامر ونواہی میں سے کوئی بات آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کتاب اللہ میں ہے کہ ہم اس کی اتباع کریں۔

دوسری روایت میں ہے:

نبی ﷺ نے فرمایا کہ

مَا وَجَدْنَا فِيْهِ حَرَامًا حَرَّمْنَاهُ، اَلَاوَاِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ۔ ❷

جو کچھ ہم نے اس میں حرام پایا اسے حرام قرار دیا۔ سنو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز۔

ایک اور روایت میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ

اَلَا اِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِثْلَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ۔ ❸

سنو! اللہ تعالیٰ کے رسول (ﷺ) نے جو کچھ حرام قرار دیا وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کی طرح ہے۔

ایک افسوسناک امر یہ ہے کہ ایک فاضل مصنف نے اسلامی شریعت وعقیدہ کے موضوع پر کتاب تصنیف کی ہے جس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: اس کتاب کی تالیف کے وقت ان کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا ماخذ نہیں تھا۔

---

❶ (ترمذی ٢٦٣ کتاب العلم' ابوداود ٤٦٠٥ السنة)

❷ (ابوداود ٤٦٠٤ في السنة)

❸ (ابوداود ٤٦٠٤' ابن ماجه ١٢ في السنة)

لیکن مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت صرف قرآن کریم کا نام نہیں، بلکہ اس سے قرآن وسنت دونوں مراد ہیں، اس لیے اگر کوئی ان دونوں میں سے صرف کسی ایک کو قابل عمل سمجھے تو وہ دونوں کا باغی ہوگا، کیونکہ دونوں (قرآن وسنت) میں ایک دوسرے کی پابندی کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (نساء ۸۰)

جو کوئی اللہ تعالیٰ کے رسول کی تابعداری کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرتا ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النساء ٦٥)

پس تیرے رب کی قسم ہرگز یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے، جب تک آپس کے جھگڑوں میں تجھ ہی کو منصف نہ بنا دیں گے، پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلے سے ناراض (تنگ دل) نہ ہونگے بلکہ اس کو (بخوشی) قبول کر لیں گے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا○ (الاحزاب ٣٦)

اور کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ لائق نہیں کہ جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو ان کو بھی اپنے کام میں اختیار باقی ہو اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر ٧)

اور جو کچھ رسول اللہ تم کو دیں وہ قبول کیا کرو اور جس سے روکیں اس سے رک جایا کرو۔

اس آخری آیت کے بعد میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں

جس میں مذکور ہے کہ: ایک عورت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا آپ ان عورتوں کو لعنت کرتے ہیں جو بال اکھاڑنے اور اکھڑوانے والی، گودنے اور گدوانے والی ہیں؟

انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! عورت نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب شروع سے لیکر آخر تک پڑھی ہے لیکن مجھے تو اس میں آپ کی یہ بات نہیں ملی تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

اِنْ كُنْتَ قَرَاْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهُ اَمَا قَرَاْتِ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

اگر تم نے پڑھا ہوتا تو ضرور پایا ہوتا، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

عورت نے کہا کہ ہاں یہ آیت تو پڑھی ہے، تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لَعَنَ اللّٰهُ النَّامِصَاتِ [1] اللہ تعالیٰ نے بال اکھیڑنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

فہمِ قرآن کے لیے زبان دانی ہی کافی نہیں

گزشتہ مضمون سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی شخص کے لیے خواہ وہ عربی زبان و ادب کا کتنا ہی بڑا عالم ہو، یہ ممکن نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و فعلی حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کریم کو سمجھ لے، کیونکہ ظاہر ہے کہ زبان کا علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہوسکتا، قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا، اور اس وقت تک زبان ہر طرح کے عیب و نقص سے پاک تھی، پھر بھی گذشتہ آیات کو صرف زبان کی مدد سے سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی۔

اس بنیاد پر یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کو سنت کا جس قدر علم ہوگا تو اسی کے مطابق اسے قرآن کو سمجھنے اور اس سے احکام کو مستنبط کرنے میں آسانی ہوگی، اور جس کو اس کا علم نہ ہوگا وہ اس فہم سے محروم رہے گا، اس سب کچھ کے باوجود اگر کوئی پھر بھی سنت کو قابل توجہ ہی نہ سمجھے تو اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟

---

[1] (بخاری ۵۹۳۹ مسلم ۱۲۰/ ۲۱۲۵)

اسی لیے علما نے متفقہ طور پر یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کے لیے قرآن کریم، سنت ❶ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے مدد لینا ضروری ہے۔

مذکورہ سطور سے قدیم وجدید دور کے متکلمین کی گمراہی اور عقائد واحکام میں ان کی طرف سے سلف صالحین کی مخالفت کا سبب واضح ہو جاتا ہے کیونکہ انہوں نے سنت سے دور ہٹ کر صفات وغیرہ کی آیات کو اپنی عقل وخواہش سے سمجھنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح عقیدہ طحاویہ (ص ۲۱۲) میں اس سلسلہ میں بڑی اچھی بات کہی، وہ لکھتے ہیں:

''دینی اصول کے سلسلہ میں وہ شخص کیسے کچھ کہہ سکتا ہے جس نے دین کو کتاب وسنت کے بجائے لوگوں کے اقوال سے سیکھا ہو؟ اگر وہ شخص یہ گمان کرے کہ وہ دین کو کتاب اللہ سے لے رہا ہے تو پھر وہ اس کی تفسیر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں لیتا اور نہ اس پر غور کرتا، نہ صحابہ وتابعین کے اقوال پر نظر رکھتا ہے جو کہ صحیح سند سے ہم تک پہونچے ہیں، ان راویوں نے ہم تک صرف قرآن کریم کے الفاظ کو ہی نہیں پہنچایا، بلکہ اس کے معانی کو بھی پہنچایا ہے، وہ لوگ قرآن کو بچوں کی طرح نہیں سیکھتے تھے، بلکہ اس کے مفہوم کو بھی سمجھتے تھے، اگر کوئی شخص ان کا راستہ نہ اختیار کرے تو پھر اپنی رائے سے بولے گا، اور جو اپنی رائے سے بولے، اپنے گمان کو دین سمجھے اور دین کو قرآن سے نہ سیکھے تو وہ گنہگار ہے خواہ اس کی بات درست ہی کیوں نہ ہو، اور جو شخص دین کو کتاب وسنت سے سیکھے اور پھر بھی اس سے غلطی ہو جائے تو اسے اجر ملے گا اور اگر وہ درست بات کو پالے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔''

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ❷

''اس لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی رسالت ونبوت) کو مکمل طور پر تسلیم کیا

---

❶ ہم اس خیال سے متفق نہیں ہیں کہ اولاً قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے گی، پھر اس کے بعد سنت سے، اسی رسالے کے آخر میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

❷ (شرح عقیدہ طحاویہ ص ۲۱۲، طبع چہارم)

جائے، آپ ﷺ کے حکم کی پیروی کی جائے، آپ ﷺ کی حدیث کی تصدیق کی جائے، کسی باطل خیال کو معقول سمجھ کر حدیث کے مقابلہ میں پیش نہ کیا جائے، حدیث کو شک وشبہ کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے، لوگوں کی رائے کو اس پر مقدم نہ کیا جائے، صرف رسول اللہ ﷺ کو حکم مانا جائے اور آپ کے احکام کی پیروی کی جائے جس طرح کہ عبادت، انابت اور خضوع و توکل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کیا جاتا ہے''۔ ❶

ان کا خلاصہ یہ ہوا کہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اتباع واستدلال اور شریعت کی اساس و قیام کے بارے میں قرآن وسنت کے درمیان فرق نہ کریں، کیونکہ یہی دائیں بائیں مائل نہ ہونے کی ضمانت ہے اور اسی سے ہی مسلمان گمراہی سے بچ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّتِيْ، وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضِ. ❷

میں نے تم میں دو امر چھوڑے ہیں جب تک ان دونوں کو تھامے رہو گے (تو) گمراہ نہیں ہو سکتے، یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سنت اور یہ دونوں الگ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر وارد ہوں۔

اہم تنبیہ

مذکورہ سطور کا بدیہی نتیجہ یہ نکلتا ہے: وہ سنت جس کو شریعت میں مذکورہ اہمیت حاصل ہے وہ ایسی سنت ہے کہ جو علماء حدیث کے نزدیک علمی طریقوں اور صحیح سندوں سے ثابت ہو۔ اس سے وہ سنت مراد نہیں جو تفسیر وفقہ، ترغیب وترہیب اور وعظ ونصیحت کی مختلف کتابوں میں موجود ہو اور ان میں بہت سی ضعیف، منکر اور موضوع روایات بھی موجود ہیں۔

---

❶ (شرح عقیدہ طحاویہ، ص ۲۱۷)

❷ (بروایت مالک وحاکم بسند حسن) (قال الالبانی وهو معضل لکن له شاهد عن ابن عباس بسند حسن اخرجه الحاکم ۱/ ۹۳ اخرجه ابو نعیم فی اخبار اصبهان ۱/ ۱۰۳ وهو مخرج فی الصحیحه ۱۷٦۱)

اس قسم کی بہت سی احادیث کو میں نے اپنی ضخیم کتاب (**سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة واثرها السئی فی الامة**) میں ذکر کیا ہے، ان احادیث کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہے۔

بعض تو ایسی ہیں جن سے اسلام بَری ہے مثلاً: ہاروت و ماروت اور غرانیق کے قصہ والی احادیث اور مؤخر الذکر حدیث کی تردید میں میرا ایک رسالہ بہ عنوان: **نصب المجانیق فی نسف قصة الغرانیق** طبع ہو چکا ہے۔

اس لیے علماء کا، بالخصوص ان کا جو لوگوں میں اپنی فقہ اور فتاوی کو پھیلاتے ہیں، یہ فرض ہے کہ وہ کسی حدیث کے ثبوت کو سمجھے بغیر اس سے استدلال کی جرأت نہ کریں، کیونکہ فقہ کی جن کتابوں کی جانب یہ لوگ عادۃ رجوع کرتے ہیں وہ واہی و منکر اور بے اصل احادیث سے بھری ہوئی ہیں اور اس بات کو صرف علماء ہی جانتے ہیں۔

میں نے ایک اہم علمی منصوبہ شروع کیا تھا جو فقہ سے متعلق لوگوں کے لیے بہت نفع بخش تھا، اس کا نام تھا (**الاحادیث الضعیفة والموضوعة فی امهات الکتب الفقهیة**) اور اس میں درج ذیل کتابیں شامل تھیں:

① ......فقہ حنفی کی الهدایة للمرغینانی۔

② ......مالکی فقہ کی المدونة الکبریٰ لابن القاسم۔

③ ......شافعی فقہ کی شرح الوجیز للرافعی۔

④ ......حنبلی فقہ کی المغنی لابن قدامه۔

⑤ ......تقابلی فقہ کی بدایة المجتهد لابن رشد اندلسی۔

لیکن افسوس میں اس منصوبہ کو مکمل اس لیے نہ کر سکا کہ کویت کے مجلّہ الوعی الاسلامی نے ابتداء میں اس کو خوش آمدید کہتے ہوئے شائع کرنے کا وعدہ کیا تھا، مگر جب اسے دیکھا تو شائع کرنے سے انکار کر دیا۔

مذکورہ منصوبہ کی تکمیل تو نہ ہو سکی لیکن مجھے امید ہے کہ کسی موقع پر ایک ایسا دقیق علمی خاکہ

تیار کرسکوں گا جس سے فقہ پر کام کرنے والوں کو مدد ملے گی، حدیث کے مآخذ کی جانب رجوع کے ذریعہ حدیث کا درجہ معلوم کرنے میں آسانی ہوگی اور ان مآخذ کی خصوصیات اور ان پر اعتماد کا امکان واضح ہوگا۔

حدیث سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ پر بحث

بات ختم کرنے سے پہلے ناظرین کی توجہ اس مشہور حدیث کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جس سے شاید اصول فقہ کی کوئی کتاب بھی خالی نہ ہوگی، یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور کتاب وسنت کے مابین عدم تفریق کی جو بات ہم نے بادلائل ثابت کی ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ حدیث کے راوی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا: ''بم تحکم؟ الخ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کتاب اللہ سے، آپ نے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو پھر؟ انہوں نے کہا سنت رسول اللہ سے! آپ نے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو پھر؟ انہوں نے کہا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا! اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساری تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے رسول کے مبلغ کو اس بات کی توفیق دی جسے اس کا رسول پسند کرتا ہے''۔

اس حدیث کی سند کے ضعف کو میں نے سلسلة الاحاديث الضعيفة حدیث نمبر ۸۸۵ میں بیان کر دیا ہے، یہاں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری نے منکر کہا ہے، اور وہاں جس تعارض کی جانب میں نے اشارہ کیا اس کی توضیح درج ذیل ہے۔

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں حکم و فیصلہ کے تین مراحل بیان کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ رائے میں حکم کی تلاش سنت کے بعد ہوگی، اور سنت میں قرآن کریم کے بعد رائے سے متعلق یہ قاعدہ صحیح ہے۔ چنانچہ علماء کا قول ہے کہ

إِذَا وَرَدَ الْأَثَرُ بَطَلَ النَّظَرُ۔ جب حدیث مل جائے تو غور وفکر بیکار ہے۔

لیکن سنت کے سلسلہ میں یہ صحیح نہیں، کیونکہ سنت، قرآن کریم کے سلسلہ میں حاکم اور اس کی مبین ہے، اس لیے قرآن کریم میں حکم کے وجود کا گمان ہوتے ہوئے بھی اسے سنت میں

تلاش کرنا ضروری ہے، کیونکہ قرآن کریم کے ساتھ سنت کا تعلق ویسا نہیں جیسا کہ سنت کے ساتھ رائے کا ہے، ہرگز نہیں بلکہ کتاب وسنت دونوں کو ایک ماخذ ماننا ضروری ہے اور دونوں میں کوئی تفریق نہیں۔

نبی ﷺ نے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ۔ (الحدیث) ❶

سنو! مجھے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز (بھی)۔

اور اس سے سنت ہی مراد ہے۔

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

لَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَى الْحَوْضِ۔ (الحدیث) ❷

یہ دونوں الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض پر وارد ہوں (یعنی قیامت تک الگ نہیں ہو سکتے)۔

اس لیے قرآن وسنت کے مابین درجہ کی تعیین صحیح نہیں کیونکہ اس سے دونوں میں تفریق لازم آتی ہے جو کہ باطل ہے۔

خاتمہ پر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تمام غلطیوں، گمراہیوں اور اپنی ناراضگی کے کاموں سے محفوظ رکھے۔ امین واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

---

❶ (ابو داؤد ٤٦٠٤ السنة)

❷ (مالك كما تقدم)

(۲)

دوسرا رسالہ

عقائد میں
حدیث آحاد سے استدلال واجب ہے
اور
مخالفین
کے
شبہات کا ازالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله وحده، والصلوة والسلام على من لانبي بعده وآله وصحبه وجنده - اما بعد!

کئی صدی پیشتر کچھ مسلمان علمائے علم الکلام کی طرف سے ایک غلط اور خطرناک نظریہ کا ظہور ہوا کہ: حدیثِ آحاد اسلامی عقائد کے بارے میں حجت نہیں ہیں اگر چہ شرعی احکام میں وہ حجت ہوں اور یہ رائے کئی متاخرین علماء اصول نے بھی اختیار کی ہے اور موجودہ دور میں مسلمان اہل قلم اور داعیوں کے ایک گروہ نے بھی اس رائے پر تکیہ کرلیا ہے، حتی کہ بعض کے نزدیک یہ اتنا بدیہی امر بن چکا ہے کہ جس کے لیے بحث ونقد کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور بعض نے غلو کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ حدیثِ آحاد پر کسی عقیدہ کی بنیاد قائم کرنا قطعاً جائز نہیں اور اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ فاسق اور گناہ گار ہوگا۔

اس منفرد رائے پر گذشتہ صدیوں میں اور موجودہ دور میں بھی علماء اسلام نے تردیدی کتب شائع کیں، جن میں سب سے اہم ردّ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب " **مختصر الصواعق المرسله** "اور امام کبیر ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی بیش قیمت کتاب " **الاحکام فی اصول الاحکام**" میں کیا ہے۔

اس اہم موضوع پر میں نے سترہ سال پیشتر ایک تحقیق لکھی تھی، جسے میں نے دمشق کے مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ایک اجتماع میں پیش کیا تھا اور اس میں اپنی حد تک میں نے قطعی اور واضح دلائل پیش کر کے مذکورہ نظریہ اور اس کے مغالطات اور فریب کاریوں کی نقاب کشائی

کی ہے جس کا بہترین اثر ہوا۔اس خطرناک نظریہ اوراس کی رو میں بہنے سے بہت سے بھائیوں کومحفوظ کرنے کی اللہ تعالیٰ نے جو توفیق عطا کی اس کے لیے ہر طرح کی حمد وتعریف کا اقرار اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کرتا ہوں، اس کا ایک پہلو سے یہ بھی اثر ہوا کہ اس ملک میں اس نظریہ کی مقبولیت واشاعت کمزور پڑگئی اوراس کی تبلیغ کرنے اور ماننے والے خاموش ہو گئے۔

بہت سے بھائیوں نے اس مفید تحقیق کی اشاعت کی تجویز پیش کی تا کہ ممکن حد تک مسلمانوں کی بڑی تعداد کو اس سے استفادۂ عام کا موقعہ ملے، اس وجہ سے ہم نے اپنی کتاب ''الحدیث حجة بنفسه في العقائد والاحكام'' میں قریب ترین ممکن فرصت میں اس کی اشاعت کا وعدہ کیا تھا اب نظر ثانی کے بعد فرمائشوں کی کثرت کے پیش نظر نیز گذشتہ وعدہ کو پورا کرتے ہوئے ہم قارئین کرام کی خدمت میں اس رسالہ کو پیش کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اسے خیر کثیر کا ذریعہ بنائے گا اوراس موضوع سے متعلق جن کے قدم پھسل گئے ہیں اور اولین مومنوں کی راہ سے بھٹک گئے ہیں ان کی تردید فرمائے گا اور اس کے ذریعہ سنت کے زندہ کرنے والوں اوراس پر عمل پیرا ہونے والوں کو ایسا مضبوط ہتھیار عطا فرمائے گا کہ جس سے وہ اپنے نبی ﷺ کی سنت کی مدافعت کر سکیں، اورشبہات کا ازالہ اور شکوک واوہام کو دور کر سکیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس کے ذریعہ مجھے اپنے ثواب سے نوازے گا اور اپنے دین کے محافظوں اور اپنی شریعت کے حامیوں میں شامل فرمائے گا۔

انه سميع مجيب۔

محمد ناصر الدین البانی (رحمہ اللہ)
دمشق ۱۳۹۴/۲/۸ھ
مطابق ۱۹۷۴/۳/۱ء

عقائد میں حدیثِ آحاد سے استدلال واجب ہے

عقائد میں حدیثِ آحاد سے استدلال کو جائز نہ ٹھہرانے والوں میں سے بعض کا خیال ہے کہ عقیدہ دلیل قطعی ہی سے ثابت ہوتا ہے، یعنی آیت قرآن یا حقیقی تواتر سے ثابت متواتر حدیث سے، جبکہ اس دلیل میں تاویل کی گنجائش نہ ہو، ان کا دعویٰ ہے کہ اس امر پر علماء اصول کا اتفاق ہے اور احادیثِ آحاد سے علم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا [1] اور نیز ان سے عقیدہ کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ [2]

یہ قول اگرچہ بعض قدیم متکلمین نے اختیار کیا ہے، لیکن وہ ان مختلف بیس (۲۰) وجوہات سے باطل ہے۔

پہلی وجہ

① ...... یہ ایک نو ایجاد اور اختراعی قول ہے، جس کی شریعت اسلامیہ میں کوئی اصل موجود نہیں ہے، یہ کتاب وسنت کی ہدایات وتوجیہات سے بعید ہے جسے سلف صالحین (رحمہم اللہ) نہیں جانتے، نہ یہ قول ان میں سے کسی سے منقول ہے اور نہ ہی کسی کے دل میں ان کے متعلق یہ احساس پیدا ہوا، دین حنیف کا یہ معروف اصول ہے کہ امور دین میں سے کوئی نو ایجاد امر باطل اور قابل رد ہے اور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے، کسی حال میں بھی اسے قبول کرنا، جائز نہیں حدیث کے الفاظ ہیں:

---

[1] میں کہتا ہوں، ان کے نزدیک مطلب یہ ہوا کہ اس بات میں امکان ہے کہ وہ کذب یا خطا ہو۔

[2] یہ بات عرض کر دینا مناسب ہے کہ حدیثِ آحاد سے مراد حدیث صحیح ہے جو متعدد صحیح طرق سے وارد ہو لیکن وہ تواتر کے درجے کو نہ پہنچی ہو، اس طرح کی حدیث کو یہ لوگ رد کر دیتے ہیں اور عقیدہ میں اسے قبول نہیں کرتے، اس موضوع سے متعلق اہم حدیثی معلومات کے لیے ہمارے رسالہ " الحديث حجة بنفسه " کا مقدمہ دیکھئے"۔

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ'' ❶

(ترجمہ) جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ باطل اور مردود ہے۔

نیز دوسری حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ ❷

تم نو ایجاد باتوں سے بچو اس لیے کہ ہر نو ایجاد بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

اس حدیث کو احمد، اصحاب سنن، اور بیہقی نے روایت کیا ہے، آخری جملہ نسائی اور بیہقی میں ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں۔

یہ قول علم کلام کی ایک جماعت کا ہے، نیز متاخرین علماء اصول کا بھی جو ان سے متاثر ہوئے اور جب کہ بعض معاصر اہل قلم نے بھی بغیر نقد و دلیل کے ان کے اس قول کو لے لیا ہے، حالانکہ عقائد کے معاملہ میں ایسا نہیں کیا جاتا، خاص طور سے ایسے لوگوں کے ہاں کہ جو عقیدہ کے ثبوت کے لیے دلالت اور ثبوت کی قطعیت کے قائل ہیں۔

دوسری وجہ

② ...... یہ نظریہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس سے صرف عقائد سے متعلق ہونے کی بنا پر نبی اکرم ﷺ سے ثابت سینکڑوں صحیح احادیث رد ہو جاتی ہیں، یعنی یہ نظریہ کہ حدیثِ آحاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا اگر ان متکلمین اور ان کے ماننے والوں کا یہی خیال ہے تو ہم ان کے اعتقاد کے مطابق ان سے کہیں گے کہ اس عقیدہ کی صحت پر آپ کے پاس کون سی آیت یا حدیث متواتر یقینی دلیل کے طور پر موجود ہے جو ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے بھی ایسی قطعی ہو کہ اس میں کسی

---

❶ (البخاری عن عائشة ٢٦٩٧ فی الصلح۔ مسلم ١٧ ١٧١٨ فی الاقضية)

❷ (ترمذی کتاب العلم باب۔ ابوداود کتاب السنة باب ٥۔ مسند احمد ٤/ ١٢٦-١٢٧)

تاویل کی گنجائش نہ ہو؟

کچھ لوگ اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ ایسی آیات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں ظن کی اتباع سے ممانعت آئی ہے۔

جیسے مشرکین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝ (النجم ۲۸)

یہ لوگ صرف ظن اور اٹکل باتوں کو مانتے ہیں اور حقانیت کے موقع پر ظنی امور کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔

تو ہم اس کا جواب دو طرح سے دیتے ہیں۔

①...... جس ذات پر یہ اور اس جیسی دوسری آیات نازل ہوئی ہیں تو اسی ذات پر وہ آیات بھی اتری ہیں جن میں افراد اور جماعتوں کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ (التوبہ ۱۲۲)

اور نہ یہ مناسب ہے کہ مسلمان سارے کے سارے ہی نکل پڑیں، پس ایسا کیوں نہ کریں کہ ہر ایک قوم سے چند آدمی آئیں تا کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں جائیں تو ان کو سمجھائیں تا کہ وہ بھی بچتے رہیں۔

طائفہ کا اطلاق عربی زبان میں ایک اور اس سے زیادہ پر ہو جاتا ہے [1] لہٰذا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ گروہ لوٹنے کے بعد اپنی قوم کو سمجھائے گا۔ اور انذار کے معنی ہیں ایسی باتوں کی خبر دینا جن سے علم کا فائدہ حاصل ہو اور یہ چیز عقیدہ اور شریعت کی دیگر تعلیمات کی تبلیغ سے حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] دیکھئے، الحدیث حجة بنفسه ۳۱

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا (الحجرات:٦)

دوسری قرأت میں ہے۔ فَتَثَبَّتُوا۔

اے ایمان والو! اگر کوئی گناہ گار تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس بات کی تحقیق کرلیا کرو...... یا اس کے ثبوت کا یقین کرلیا کرو۔

یہ آیت ایک ثقہ شخص کی خبر کی قبولیت کی قطعیت اور یقین پر دلالت کرتی ہے اور ایسی صورت میں ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر اس کی خبر سے علم کا فائدہ حاصل نہ ہوتا تو علم کو حاصل کرنے کے لیے غور وفکر کا حکم دیا جاتا۔ یہ اور اس جیسی دیگر آیات سے خبرِ واحد سے علم کا فائدہ حاصل ہونے کی دلالت ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ آیت سے اپنے مزعومہ خیال پر استدلال کرنا جائز نہیں، ورنہ بعد کی دونوں آیات بیکار ہو جائیں گی، بلکہ ضروری امر یہ ہے کہ ان کی ایسی تفسیر کی جائے جو ان دونوں آیات کے مفہوم سے مطابقت رکھے، جیسے یہ کہا جائے کہ اس آیت میں ظن سے مراد ایسا ظن ہے جس سے علم کا فائدہ حاصل نہ ہو، بلکہ وہ خواہش اور ایسی غرض پر مبنی ہو جو شریعت کے مخالف ہو۔

اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے فرمان میں ہے۔

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰٓ ۝ (النجم ٢٣)

یہ لوگ صرف اپنے گمان اور اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس ان کے پروردگار کے ہاں سے رہنمائی کے لیے ہدایت آچکی ہے۔

④...... اگر اس بات کی کوئی قطعی دلیل ہوتی کہ عقیدہ خبرِ آحاد سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ان لوگوں کا گمان ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی ضرور توضیح کرتے اور اس کی مخالفت وہ علماء کبار نہ کرتے جن کا ذکر آگے آئے گا، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ وہ قطعی دلیل کا انکار کریں یا وہ دلیل ان کی نظر سے مخفی رہے جب کہ وہ علم وفضل اور تقویٰ کی بلندیوں پر ہیں، اس لیے اس بارے میں ان کی مخالفت بجائے خود ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ رائے یا حدیثِ آحاد کے متعلق یہ عقیدہ، ظنی

اور غیر قطعی ہے۔ خواہ یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ علماء، حدیثِ آحاد پر عمل کرنے کے سلسلہ میں غلطی پر ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہی علماء کا موقف صحیح ہے اور ان کے مخالف علمائے، کلام اور ان کے مقلدین ہی غلطی پر ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

تیسری وجہ

③...... یہ خیال کتاب وسنت کے ان تمام دلائل کے مخالف ہے جن کو ہم اور وہ لوگ بھی شرعی احکام میں حدیثِ آحاد سے استدلال کے وجوب میں حجت مانتے ہیں، اس لیے کہ وہ دلائل رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تمام باتوں کو خواہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہو یا احکام سے، عام ہیں، جیسا کہ دوسری وجہ میں ہم نے بعض آیات کا ذکر کیا ہے جن کا امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرسالہ" میں تذکرہ کیا ہے، تحقیق کرنے والوں کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے [1] لہٰذا ان دلائل کو احکام کے ساتھ خاص کرنا اور عقائد کو چھوڑ دینا، یہ ایسی تخصیص ہے کہ جس کے لیے کوئی مخصص دلیل نہیں ہے، یہ باطل ہے اور جس سے باطل لازم آئے تو وہ خود بھی باطل ہے۔

چوتھی وجہ

④..... قول مذکور نہ صرف یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہیں کہا بلکہ یہ ان کے عمل کے بھی خلاف ہے۔ ہمیں یہ یقین ہے کہ وہ لوگ ان تمام باتوں پر یقین کرتے تھے جنہیں ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے نام سے بیان کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ تمہاری خبر، خبرِ واحد ہے، اس سے علم کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہ ہوگا جب تک کہ یہ خبر متواتر نہ ہو، بلکہ حدیثِ آحاد سے استدلال کے وجوب سے متعلق عقائد واحکام کے باب میں تفریق کے فلسفہ سے جو ان کے بعد کچھ مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے، وہ لوگ واقف ہی نہ تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے اگر کوئی مثلاً صفات کے متعلق کوئی حدیث روایت کرتا تو دوسرا اسے قبول کرتا تھا اور اس صفت کا قطعیت اور یقین کے ساتھ اعتقاد

---

[1] اس سلسلے میں معلومات کے لیے الحدیث حجة بنفسه بھی دیکھئے:

کرتا تھا جیسے رب کریم کی رویت، اس کا کلام کرنا اور قیامت کے روز اس کا اس طرح ندا کرنا کہ قریب والے کی طرح، دور والا بھی سنے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہر روز رات کے آخری لحات میں آسمان دنیا کی طرف نزول کرنا۔ ان تمام اعتقادی صفات کے متعلق احادیث کو جس نے کسی ایسے شخص سے سنا، جو انہیں رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے بیان کرتا ہو یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے، تو ان صفات کے ثبوت کا اس نے محض صادق اور عادل شخص سے سننے کی بنا پر اعتقاد کیا اور اس میں کسی طرح کا پس و پیش نہیں کیا، بلکہ بسا اوقات کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث احکام کے متعلق حقیقت کی جستجو کرتے تھے اور دوسری روایت سے اس کا مفہوم متعین کرتے تھے، جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے مفہوم متعین کیا تھا، لیکن احادیث صفات کے متعلق کسی صحابی نے قطعاً دوسری روایت سے مدد طلب نہیں کی، بلکہ سب سے زیادہ ان کی قبولیت، تصدیق اور ان کے مقتضی پر یقین میں سبقت کرنے والے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے خبر دینے والوں کے ذریعہ ملنے والی خبروں سے صفات کو ثابت مانتے تھے، لہٰذا جس شخص کو بھی سنت سے لگاؤ اور دلچسپی ہے تو وہ اسے سمجھ لے اور معلوم کرلے۔ ❶

پانچویں وجہ

⑤...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۔ (المآئدہ:٦٧۔

اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اسے دوسروں تک پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو گویا تم نے اپنا پیغام دوسروں تک نہیں پہنچایا۔

---

❶ دیکھئے، مختصر الصواعق المرسلہ علی الجہمیة والمعطلة ۳۶۱/۱۔۳۶۲

نیز ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۔ (النور:۵۴)

نہیں ہے رسول کے اوپر ذمہ داری مگر کھلے طور پر لوگوں تک پہنچا دینا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بَلِّغُوْا عَنِّيْ (متفق علیہ) میری طرف سے لوگوں کو پہنچا دو۔

اور عرفہ کے دن صحابہ رضی اللہ عنہم کے عظیم مجمع میں نبی ﷺ نے کہا کہ تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اپنا پیغام پہنچا دیا، اپنا فرض ادا کر دیا اور دوسروں کو نصیحت کر دی (مسلم)

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ''بلاغ'' اسی کا نام ہے جس سے مخاطب پر حجت قائم ہو اور اس سے علم حاصل ہو، لہٰذا اگر خبرِ واحد سے علم حاصل نہ ہوتا تو اس سے تبلیغ کا وہ فریضہ بھی ادا نہ ہوتا جس سے بندہ پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوتی ہے اور حجت تو اسی بات سے قائم ہوتی ہے کہ جس سے علم حاصل ہوتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ اپنے کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بھیجتے تھے جو آپ کی طرف سے دوسروں کو تبلیغ کرتا تھا جس سے سامع پر حجت قائم ہو جاتی تھی، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور سنت جو عادل ثقہ راویوں سے ہم تک پہنچے ہیں، ان سے ہم پر حجت قائم ہوئی، اگر یہ علم کا فائدہ نہ دیتے تو ان سے حجت قائم نہ ہوتی اور نہ اس شخص پر حجت قائم ہوتی جسے ایک یا دو یا تین یا چار یا عددِ تواتر سے کم اشخاص کے ذریعہ کوئی خبر پہنچتی اور یہ انتہائی باطل چیز ہے، اس لیے جس شخص نے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث علم کا فائدہ نہیں دیتیں تو پھر اس کی وجہ سے دو باتوں میں سے ایک بات لازم آئے گی۔

① ..... یا تو وہ یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن اور جسے تواتر کی تعداد نے روایت کیا ہے کے سوا کچھ نہیں پہنچایا اور ان کے سوا جو کچھ ہے اس سے حجت اور تبلیغ کا فریضہ قائم و ثابت نہیں ہوا۔

② ..... یا وہ یہ کہے کہ حجت اور تبلیغ ایسی باتوں سے حاصل ہوئی کہ جن سے نہ علم واجب

ہوتا ہے اور نہ ہی عمل کا تقاضا سمجھ میں آتا ہے۔

اور ان دونوں باتوں کے باطل ہونے سے یہ قول بھی باطل ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث جنہیں ثقہ، عادل اور حافظ راویوں نے روایت کیا اور امت نے جنہیں قبول کیا ہے، وہ علم کا فائدہ نہیں دیتیں اور یہ بات پورے طور پر عیاں ہے۔ ❶

چھٹی وجہ

⑥ ......ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مختلف افراد کو مختلف علاقوں میں دین سکھلانے کے لیے بھیجتے تھے جیسا کہ آپ نے سیدنا علی، سیدنا معاذ اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم کو مختلف اوقات میں کئی بار یمن کی طرف بھیجا اور ہم یہ بھی یقینی طور پر جانتے ہیں کہ دین کی سب سے اہم چیز عقیدہ ہے اور یہ سب سے پہلی چیز ہے جس کی طرف رسول ﷺ کے یہ مبلغین دوسروں کو بلاتے تھے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو اس لیے سب سے پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانا۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہیں لا الـه الا الـلـه کی گواہی دینے کی دعوت دینا اور جب انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے تو پھر انہیں خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے'' (متفق علیہ، حدیث کے یہ الفاظ مسلم کے ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ سب سے پہلے انہیں عقیدہ توحید کی تعلیم دیں انہیں اللہ عزوجل کی معرفت سکھلائیں جو صفات اس کے لیے واجب ہیں اور جن باتوں سے اس کی ذات پاک ہے ان کی تعلیم دیں، جب وہ ان باتوں کو سیکھ جائیں تو پھر انہیں وہ باتیں سکھلائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا ہے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے یقیناً انہیں انجام بھی دیا، اس لیے یہ قطعی دلیل ہے کہ عقیدہ خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے اور اس سے لوگوں پر حجت قائم ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ صرف سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے بھیجنے پر اکتفا نہ کرتے اور یہ واضح بات ہے۔ والحمد للہ۔

---

❶ الصواعق ۲/ ۳۹۶، ۳۹۷۔

ہم نے جو باتیں ذکر کی ہیں جو شخص انہیں تسلیم نہ کرے تو اس سے دو باتیں لازم ہوں گی تیسری کی مطلق گنجائش نہیں۔

①...... یا تو وہ یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبلغین لوگوں کو عقائد نہیں سکھلاتے تھے اس لیے کہ نبی نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا، انہیں صرف احکام کی تبلیغ کا حکم دیا تھا اور یہ بات بدیہی طور پر باطل ہے، کیوں کہ یہ سابقہ حدیث معاذ کے بالکل مخالف ہے۔

②...... یا وہ یہ کہے کہ وہ عقائد کی تبلیغ پر مامور تھے، انہوں نے ایسا کیا بھی اور انہوں نے تمام اسلامی عقائد کی تبلیغ کی جن میں یہ خیالی عقیدہ بھی شامل ہے کہ خبر آحاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، یہ خیال فی نفسہ عقیدہ ہے جیسا کہ گذر چکا ہے، اس بنیاد پر یہ مبلغین رضی اللہ عنہم لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم جو عقائد تم کو سکھلاتے ہیں ان پر ایمان لاؤ، لیکن ان پر ایمان لانا واجب نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اخبارِ آحاد ہیں اور سابقہ خیالات کی طرح یہ بھی باطل ہے اور جس سے باطل لازم آتا ہے وہ بھی باطل ہے۔ لہٰذا اس سے اس قول کا باطل ہونا ثابت ہوگیا اور عقائد کے باب میں خبرِ آحاد سے استدلال کرنے کا وجوب بھی ثابت ہوگیا۔

ساتویں وجہ

⑦...... مذکورہ نظریہ سے اعتقادی امر میں مسلمانوں میں باہم تفاوت بھی لازم آتا ہے باوجودیکہ خبر سب تک پہنچی ہے اور یہ بھی باطل ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ۔ (الانعام)

تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں خبردار کروں اور جس تک یہ پہنچے۔

صحیح مستفیض روایت میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَاءً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَاَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهٗ مِنْ سَامِعٍ۔ [1]

---

[1] (الترمذی ٢٦٥٧ وقال صحیح ابن ماجه ٢٣٢)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداب رکھے جس نے میری بات سنی تو اسے دوسروں تک ویسے ہی پہنچا دیا جیسے کہ سنا تھا، سنے ہوئے شخص سے بہت سے نہ سنے ہوئے مخاطب اس بات کو زیادہ سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ (ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے)

اس کی توضیح یہ ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عقیدہ سے متعلق کوئی حدیث سنی، مثلاً آسمان دنیا پر اللہ تعالیٰ کے نزول کا عقیدہ تو اس صحابی پر اس کا اعتقاد واجب ہے، اس لیے کہ یہ خبر اس کی حد تک یقینی ہے، لیکن وہ شخص خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی، جس نے اس صحابی سے حدیث کو لیا ہے اس پر اس کا اعتقاد واجب نہیں ہے اگر چہ دلیل اس تک پہنچی اور اس کی صحت پر اس کا یقین ہوا، اس لیے کہ وہ حدیث اس کے پاس خبرِ آحاد کے ذریعہ پہنچی ہے، یعنی اس صحابی کے ذریعہ جس نے نبی اکرم ﷺ سے اس حدیث کو سنا ہے اس کے متعلق خطا کا احتمال ہے، اس لیے ان لوگوں کے نزدیک اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوگا۔ اس توجیہ کا اعتبار کرنے میں فساد ہے، اس لیے کہ اسے باطل قیاس پر قائم کیا گیا ہے، یعنی امت کے لیے کسی عام مسئلہ یا صفات رب تعالیٰ میں سے کسی صفت کے خبر دینے والے کو کسی مخصوص مسئلہ کے متعلق گواہی دینے والے پر قیاس کرنا، ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے خبر دینے والے کے متعلق گو یہ فرض کیا جائے کہ اس نے قصداً یا بطور خطا جھوٹ کا استعمال کیا ہے اور اس کے متعلق یہ بات ثابت نہیں کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو اس سے حق کا مخدوش کرنا لازم آتا ہے، اس لیے کہ گفتگو اس خبر سے متعلق ہے جسے امت نے قبول کیا، اس کی دلالت پر عمل کیا ہے اور اس کے ذریعہ رب تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال کو ثابت کیا ہے، کیونکہ شرعاً جن خبروں کو قبول کرنا واجب ہے وہ واقعتاً باطل نہیں ہوسکتیں، خصوصاً جبکہ پوری امت نے انہیں قبول کیا ہو، اسی طرح ہر اس دلیل کے متعلق جس کی اتباع شرعاً واجب ہے، یہی کہا جائے گا کہ وہ حق ہی ہے، اس لیے اس کا مدلول فی الواقع ثابت ہوگا اور یہ بات ان باتوں سے متعلق ہے جن کی رب تعالیٰ کی شریعت اور اس کے اسماء وصفات کے متعلق خبر دی جاتی ہے، برخلاف کسی معین چیز پر کسی مخصوص شہادت کے کہ حقیقت میں اس کا مقتضی ثابت نہیں ہوتا۔

حقیقی مسئلہ یہ ہے کہ وہ خبر جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے امت کو اپنا عبادت گذار بنایا اور اپنے رسول کی زبانی اسے افرادِ امت کو بتایا، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات کے اثبات سے ہے فی الواقع وہ کذب و باطل نہیں ہوسکتی، وہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کی ہوئی حجتوں میں سے ایک حجت ہے اور اللہ تعالیٰ کی حجتیں کذب و باطل نہیں ہوسکتیں، بلکہ حقیقی طور پر وہ حق ہی ہوں گی اور حق و باطل دلائل باہم مساوی نہیں ہوسکتے اور اللہ تعالیٰ اس کی شریعت اور اس کے دین پر افتراء اس وحی کے مشابہ نہیں ہوسکتا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اور اس کے ذریعہ خلق کو اپنا عبادت گذار بنایا ہے، ان دونوں میں عدم تمیز درست نہیں، حق اور باطل، صدق اور کذب، وحی شیطان اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے کی وحی کا مسئلہ باہم مشتبہ ہونے سے بالاتر ہے، اللہ تعالیٰ نے حق بات کے لیے سورج کی روشنی کی طرح اجالا مقدر کیا ہے جو روشن بصیرتوں کے لیے واضح ہے اور باطل کو رات کی تاریکی کی طرح تاریکیوں کا جامہ پہنایا ہے، گو یہ بات بعید نہیں کہ کورنگاہوں پر رات اور دن میں کوئی فرق نہ ہو جس طرح بصیرت سے کورے لوگوں پر حق اور باطل میں اشتباہ قائم رہتا ہے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حق کہنے والے سے حق قبول کرلو اس لیے کہ حق کے لیے ایک روشنی ہے۔

لیکن جب دل تاریک ہوجاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات سے اعراض کرنے کے سبب سے بصیرتیں بے نور ہوجاتی ہیں اور لوگوں کے اقوال سے انہیں مشابہ ٹھہرانے کے سبب تاریکیاں مستزاد ہوجاتی ہیں، تو اس وقت ایسے لوگوں پر حق اور باطل گڈمڈ ہوجاتا ہے اور وہ امت کے عادل اور صادق ترین لوگوں سے روایت کی ہوئی صحیح احادیث کا کذب ہونا جائز قرار دینے لگتے ہیں اور باطل، جھوٹی اور باہم متضاد روایات کو جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں، صدق ٹھہرانے لگتے ہیں اور ان سے حجت پکڑتے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ ثقہ اور عادل راویوں کے ذریعہ بیان شدہ اخبار، جن پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے فی الواقع ان کا کذب اور خطا ہونا درست

نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی دلیل بیان نہیں کی۔

جو شخص علم کے واجب ہونے کی بات کہتا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ جائز نہیں، کیونکہ جب عمل کو واجب قرار دینے والی شرائط پائی جائیں گی تو اس سے فی الواقع حدیث کی خبر دینے والے کا ثبوت واجب ہو جاتا ہے ❶ لیکن اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور آپ کے اخبار و سنن سے لگاؤ ہو، دوسرے لوگ اس میں بے بصیرت ثابت ہوں گے، لہٰذا جب وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خبریں اور صحیح احادیث علم کا فائدہ نہیں دیتیں تو اس وقت وہ اپنے متعلق یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کوئی علم حاصل نہیں کیا، لہٰذا اپنے متعلق جس بات کی خبر وہ دے رہے ہیں اس میں وہ سچے ہیں، البتہ اس بات میں وہ کاذب ہیں کہ احادیث اہل حدیث و سنت کے لیے علم کا فائدہ نہیں دیتیں۔ ❷

آٹھویں وجہ

⑧......اس عقیدہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ عقیدہ کے باب میں حدیث سے مطلق استدلال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کے لوگوں کے لیے باطل ہو جاتا ہے، لیکن پہلے کی طرح یہ بات بھی باطل ہے، بلکہ اس سے زیادہ باطل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جمہور مسلمانوں کو خصوصا، حدیث کی جمع و تدوین سے پہلے حدیث آحاد کے طریقہ سے پہنچی ہے اور جن لوگوں کے پاس کوئی حدیث تواتر کے طریقہ سے پہنچی ہے ایسے لوگ ہر دور میں بہت تھوڑے ہیں جنہوں نے حدیث اور حدیث کے طرق کے تلاش و شمار کی کوشش کی، اور جس سے ان کو حدیثِ متواتر کا ایک قابل لحاظ مجموعہ مل گیا۔ لیکن متکلمین اور ان کے مزعومہ قول کو ماننے والے متبعین کا ان مخصوص لوگوں سے استفادہ کر سکنا عقل میں آنے والی بات نہیں، اس لیے کہ محدث کا یہ کہنا کہ: ھذا حدیث متواتر، یہ حدیث متواتر ہے، اس سے انہیں یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ حدیث متواتر ہی ہے، اس لیے بھی کہ اس کا کہنے والا فرد واحد ہے، اور اس لیے بھی کہ اس کی خبر،

---

❶ الصواعق، ۲، ۳۶۸، ۳۷۰

❷ الصواعق، ۲، ۳۷۹

خبرِ واحد ہے، جو ان کے نزدیک بھی علم کا فائدہ اس وقت تک نہیں دے سکتی جب تک کہ اس کے ساتھ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی محدثین کی تعداد شامل نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک کہتا کہ: یہ متواتر ہے، اور یہ عادۃً غیر ممکن ہے۔

خصوصاً ایسے لوگوں کے لیے جن کا حدیث اور کتب محدثین سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، بلکہ ان متکلمین کے لیے یہ تو آسان ہے کہ کسی حدیث کے متعدد طرق کا خود سنت کی کتب سے استخراج کر لیں، کیونکہ ایسی کتابیں اور ان سے حدیث کا مراجعہ آسان ہے، لیکن اگر وہ کسی حدیث کے تواتر سے متعلق محدثین کی ایک جماعت کی شہادت جمع کرنا چاہیں تو یہ چیز ان کے لیے آسان نہ ہوگی، کیونکہ تواتر سے متعلق کسی نہ کسی کا قول چھوٹ جائے گا۔ اور کبھی بعض علمائے کلام کا یہ قول سامنے آئے گا کہ یہ حدیث آحاد ہے، اس لیے کہ ان کا تعلق محدثین کی کتابوں کے بجائے اپنی کتابوں سے ہوتا ہے، اسی لیے ان میں سے کسی ایک کا قول ہی ان کے لیے قابل اعتماد ٹھہرے گا۔ حالانکہ یہ بات اس فن کے ماہر شخص کے خلاف ہوگی، اس کی بعض مثالیں آگے آئیں گی۔

اس خیال سے دو باتوں میں سے ایک بات کا لازم آنا ضروری ہے۔

① ...... یا تو یہ کہا جائے کہ عقیدہ خبرِ آحاد سے ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ عام لوگوں تک خبر کا تواتر کے ساتھ پہنچنا مشکل امر ہے اور گذشتہ اور آگے آنے والے وجوہ کے مطابق یہی قطعی طور پر درست بھی ہے۔

② ...... یا یہ کہا جائے کہ عقیدہ خبرِ آحاد سے ثابت نہیں ہوتا گو ماہرین فن اس کے تواتر کی گواہی دیں جب تک کہ تمام لوگوں کے نزدیک اس کا تواتر ثابت نہ ہو جائے، جیسا کہ پیچھے اس کا بیان گذر چکا ہے کہ ائمہ حدیث کے ایک گروہ کی عام مسلمانوں کے لیے تواتر کی شہادت کا حصول بہت مشکل امر ہے اور جیسا کہ میرا خیال ہے کوئی عاقل شخص اس کا التزام نہیں کرے گا، بلکہ خصوصی طور پر ان میں سے اکثر لوگ اپنے خطبات اور مقالات میں ہر علم سے متعلق ماہرین لوگوں کی طرف رجوع کو واجب قرار دینے کی تاکید کرتے ہیں۔ انہی میں سے ایک صاحب

ایسے شخص سے متعلق جو اجتہاد کی طاقت نہیں رکھتا تقلید کو ضروری امر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:
ہر علم کے لیے یکسو، اور شغل خاص رکھنے والے، نیز اس سے نا آشنا، اس سے بچنے والے اور اس کے اصول واحکام سے بالکل ناواقف لوگ ہوتے ہیں۔

اگر عدالت میں تمہارا کوئی مقدمہ ہے اور تم قانون دان نہیں ہو تو تمہیں مجبوراً وکلاء کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور ان میں سے کسی کی تقلید کرنا پڑے گی جسے وہ اپنے اجتہاد سے حل کرے گا، اگر تم کسی گھر کی تعمیر کرنا چاہو تو تمہیں انجینئروں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، اگر تمہارا بچہ بیمار ہو جائے تو تم اطباء کی طرف رجوع کرو گے، اگر فرانس میں پڑھے ہوئے طبیب کو کسی علاج میں شفا نظر آئے اور امریکا سے ڈگری حاصل کیے ہوئے طبیب کو اس علاج میں نقصان نظر آئے اور تمہارے لیے ان میں سے کسی ایک کی تقلید کے سوا چارہ نہ ہو اور دونوں باتوں میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لیے تمہارے پاس کوئی راستہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں تم کیا کرو گے؟ لازمی بات ہے کہ تم اپنے دل سے فیصلہ لو گے اور جس طرف وہ مائل ہوگا تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ گے، دینی معاملات میں یہی حال ایک عامی مقلد کا ہے، ایسی صورت میں علم دین اور علوم دنیا میں تقلید ضروری قرار پاتی ہے، اس لیے کہ یہ بات محال ہے کہ ہر انسان ہر علم کا جاننے والا ہو اور اسے اس میں رائے، تحقیق اور اجتہاد کا مقام حاصل ہو۔

جب بات اس طرح کی ہے تو پھر تحقیق کرنے والے پر لازم ہے کہ کسی حدیث کے متعلق ثقہ محدث کے ایسے قول کو قبول کرے جس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح یا متواتر ہے، جبکہ اس کا حکم تواتر غیر کی نسبت سے تواتر کا یقین نہ دے سکتا ہو، کیونکہ تواتر کے متعلق اس کا قول آحاد ہے لیکن اس کا مان لینا ضروری ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے اور خاص طور سے اس کا قبول کرنا تقلید نہیں بلکہ تصدیق کے باب سے ہے اور ان دونوں باتوں میں زبردست فرق ہے جیسا کہ اہل علم وتحقیق کی کتب میں اس موضوع سے متعلق تفصیلات موجود ہیں اور اسی بنیاد پر ہم اگلی بات کہہ رہے ہیں۔

نویں وجہ

⑨..... حدیث سے متعلق ایک محدث کے قول کی قبولیت کہ یہ متواتر ہے جب واجب ٹھہری جو کہ عقیدہ میں اس سے استدلال کو مستلزم ہے، تو اس طرح ہر ثقہ محدث کی حدیث کو لینا بھی واجب ہے اور اس سے عقیدہ کا اثبات بھی لازم ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ علت بیان کرنا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ فی الواقع وہم، یا بھول یا کذب کا صدور اس سے ہوا ہو گو بظاہر وہ ثقہ اور عادل ہو، تو یہی بات اس ماہر شخص کے بارے میں بھی کہی جائے گی جس نے حدیث کے تواتر کی بات کہی ہے اس میں بھی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے یا تو ان دونوں نے جو خبر دی ہے اس کے متعلق دونوں کی تصدیق کی جائے یا پھر دونوں کی تصدیق نہ کی جائے، جبکہ اور دوسری شق باطل ہے، لہٰذا پہلی بات ثابت ہوگئی اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

یہ بات اس بنیاد پر کہی جارہی ہے کہ مذکورہ احتمال احادیث رسول ﷺ میں جنہیں امت نے قبول کیا ہے، موجود نہیں ہے، اس لیے کہ یہ احادیث بھی اپنے قائل ﷺ کی طرح معصوم ہیں جیسا کہ ساتویں وجہ میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ ❶

دسویں وجہ

⑩..... تصدیق کسی بات کی ابتدا ہی میں ہوتی ہے خواہ وہ امر اختیاری ہی کیوں نہ ہو، اسی سبب سے کسی انسان کے متعلق کہا جاتا ہے تصدیق کرو یا نہ تصدیق کرو، لیکن تصدیق کرنے والا جب کسی راوی پر بھروسہ کرتا ہے تو اپنے نفس کو اس کی تصدیق پر اس طرح مرکوز کر دیتا ہے کہ اس کی تکذیب کرنا یا اس کی خبر میں شک کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا اور یہ بات ہم میں سے ہر شخص اپنے ایسے دوست کے متعلق محسوس کرتا ہے جس پر کہ پورا اعتماد ہو، تو ایسی صورت میں با اعتماد راوی کی تصدیق کرنے والے کو اس بات کا پابند کرنا کہ عقیدہ کو چھوڑ کر صرف احکام کے متعلق اس کی تصدیق واجب ہے تکلیف مالا یطاق کے مشابہ ہے۔

---

❶ اس سے متعلق تفصیلات احکام الاحکام لابن حزم ۱/۱۲۸۔۱۳۲ میں موجود ہیں۔

اسی وجہ سے میں یقینی طور پر کہوں گا کہ جو لوگ دونوں باتوں میں فرق کرتے ہیں وہ ایک نظریاتی تفریق کرتے ہیں، ورنہ پھر وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ تصدیق نہیں پاتے، حتیٰ کہ احکام اور اس کے مثل احادیث کے متعلق بھی اس کا سبب راویوں کے احوال اور ان کی عدالت اور ضبط وحفظ سے ان کی ناواقفیت ہے، جس کے سبب مطلقاً انہیں وہ اطمینان حاصل نہیں ہوتا جو ان کو تصدیق پر ابھارے اور یہی سبب ہے جو ان میں سے بہت سے لوگوں کو شک پر ابھارتا ہے، بلکہ احکام سے متعلق بہت سی صحیح احادیث کے انکار پر بھی، عقیدہ اور امور غیب اس پر مستزاد ہیں۔

اس حقیقت کی طرف شریک بن عبداللہ القاضی رحمہ اللہ نے اس وقت اشارہ کیا جب ان سے (لوگوں نے صفات سے متعلق کچھ احادیث کا ذکر کیا تھا) کہا گیا کہ ایک گروہ ان احادیث کا انکار کرتا ہے، انہوں نے پوچھا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ تو ان سے کہا گیا کہ ان میں وہ طعن کرتے ہیں! انہوں نے کہا جن لوگوں نے ان احادیث کو نقل کیا ہے، تو انہی لوگوں نے قرآن کریم کو بھی نقل کیا ہے اور یہ بات کہ نماز پانچ وقت کی ہے، نیز حج بیت اللہ اور رمضان کے روزہ کی تمام تفصیلات ان سب سے منقول ہیں، اور ہم اللہ تعالیٰ کو انہی احادیث کے ذریعہ سے پہچان سکتے ہیں۔ ❶

امام اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، کہ میں عبداللہ بن طاہر کے پاس گیا، انہوں نے مجھ سے کہا: ابویعقوب تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ ہر رات کو اترتا ہے؟ میں نے کہا اے امیر، اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک نبی بھیجا، اس کی احادیث ہمارے پاس پہنچیں، انہی سے ہم خون کو حلال اور حرام کرتے ہیں، انہی کے ذریعہ ہم شرم گاہوں کو حلال یا حرام کرتے ہیں اور انہی سے ہم مالوں کو جائز یا حرام ٹھہراتے ہیں، لہٰذا اگر یہ صحیح ہے تو وہ بھی صحیح ہے اور اگر یہ باطل ہے تو وہ بھی باطل ہے اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عبداللہ خاموش ہو گیا۔ ❷

---

❶ کتاب السنة لعبد الله بن الامام احمد۔ (۲) الشریعة (الاجری ۳۰۶)(۳) العلم الشامخ للمقبلیؒ ۔

❷ اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے الاسماء والصفات ص ۴۵۲ میں نقل کیا ہے اور یہ دونوں آثار حافظ ذہبی کی مختصر العلم میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے طبع کی راہ پیدا کرے۔ (الحمد للہ، یہ کتاب اب طبع ہو گئی ہے)

گیارہویں وجہ

(۱۱)......عقیدہ اور عملی احکام کے درمیان تفریق اور عقیدہ کو چھوڑ کر احکام میں حدیثِ آحاد سے استدلال کا وجوب اس اساس پر مبنی ہے کہ عقیدہ عمل کو شامل نہیں اور عملی احکام کو عقیدہ شامل نہیں اور یہ دونوں باتیں باطل ہیں۔ ایک محقق نے کہا ہے کہ عملی مسائل میں دو باتیں مطلوب ہیں: علم اور عمل اسی طرح علمیات میں بھی علم اور عمل مطلوب ہیں، یعنی دل کی محبت اور اس کا بغض، دل کی محبت اس حق کے لیے جس پر ان کی دلالت ہے اور جسے وہ شامل ہیں اور اس کا بغض اس باطل سے جس کے وہ مخالف ہیں، اس لیے عمل، اعضاء و جوارح کے عمل پر منحصر نہیں ہے، بلکہ دلوں کے اعمال، اعضاء کے اعمال کی اصل ہیں اور اعضاء کے اعمال اس کے تابع ہیں، اس لیے کہ دل کا ایمان اور اس کی تصدیق و محبت ہر علمی مسئلہ کی تابع ہے اور یہی عمل بلکہ عمل کی اصل ہے اور یہ ایمان کے ان مسائل میں سے ہے جس سے بہت سے متکلمین نے غفلت سے کام لیا ہے، کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے نہ کہ اعمال کا اور یہ قبیح اور عظیم ترین غلطی ہے۔ بہت سے کفار نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا یقین رکھتے تھے اس میں انہیں کوئی شک نہ تھا، لیکن اس میں وہ تصدیق شامل نہ تھی جو عبارت ہے آپ کی لائی ہوئی چیز سے قلبی محبت، اس پر رضا مندی اور اس کی بنیاد پر دوستی و دشمنی سے اس سے غفلت نہیں برتی جا سکتی، یہ بہت اہم موضوع ہے اور اسی سے ہی ایمان کی حقیقت پہچانی جا سکتی ہے، پس یہ تمام علمی مسائل عملی ہیں اور عملی مسائل علمی ہیں، کیونکہ شارع نے عملیات میں مکلّف افراد کو صرف عمل کا پابند کر کے علم کو چھوڑ نہیں دیا اور نہ ہی علمیات میں علم کو اپنا کر عمل کو ترک کیا ہے۔ [1]

ایک مثال سے یہ بات وضاحت سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ عملیات میں یا احکام میں عقیدہ کا شامل کرنا ضروری ہے، فرض کیجیے کہ ایک شخص غسل یا وضو، نظافت اور صفائی کے لیے کرتا ہے یا نماز ریاضت کے لیے پڑھتا ہے یا روزہ صحت کے لیے رکھتا ہے یا حج سیاحت کے لیے کرتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ یہ تمام کام یہ اعتقاد رکھتے ہوئے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر

---

[1] الصواعق، ۲، ۴۲۰۔۴۲۱

واجب قرار دیا ہے اور اس کے ذریعہ اسے اپنا عبادت گذار بنایا ہے، تو ایسے شخص کا یہ سب کچھ کرنا اس کو کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ جس طرح دل کی معرفت جب کہ وہ دل کے اس عمل کو شامل نہ ہو جسے تصدیق کہتے ہیں، اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

- لازمی طور پر ہر شرعی عملی حکم کے ساتھ ایسا عقیدہ موجود ہے جس کا تعلق ایسے غیبی معاملہ سے ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی سنت میں ہمیں اس کی خبر نہ دی ہوتی تو اس کی تصدیق اور اس پر عمل واجب نہ ہوتا، اسی سبب سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرے جب تک کہ کتاب وسنت کی حجت اس کے پاس نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ (النحل ۱۱۶)

اور اپنی زبانوں کے جھوٹے بیان سے نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا بہتان باندھنے لگو، یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں، وہ ہرگز بامراد نہ ہوں گے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بغیر اس کی اجازت کے تحریم وتحلیل اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا ہے، پس جب ہم حدیثِ آحاد سے تحریم وتحلیل کے جواز پر متفق ہوں گے اور اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ پر باتیں بنانے سے نجات پا سکتے ہیں، تو اسی طرح حدیثِ آحاد سے عقیدہ کا واجب کرنا بھی جائز ہوگا اور ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص ان میں فرق کا دعویٰ کرے تو اس پر کتاب وسنت سے دلیل دینا واجب ہے جو کہ انتہائی مشکل بات ہے۔

بارہویں وجہ

⑫ ......اگر اس باطل عقیدہ کے قائلین سے کہا جائے کہ عکس کی صورت ہی درست ہے تو

یا اس کی تردید نہیں کر سکیں گے کیونکہ یہ کہنا ممکن ہے کہ جب عقیدہ اور عمل ایک دوسرے کو شامل ہیں تو عقیدہ کو عمل شامل ہوا اور عمل کو عقیدہ، جیسا کہ اس کا بیان گذر چکا ہے، لیکن ان دونوں میں ایک واضح فرق ہے، اس لیے کہ عقیدہ مومن کی ذات سے متعلق ہے اس کا معاشرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، جبکہ عمل کا مضبوط ربط اس معاشرہ سے ہے جس میں مومن زندگی گذارتا ہے اور اسی میں ہی اصلاً حرام شرم گاہوں کو حلال کیا جاتا ہے اور جانوں اور مالوں کو مباح کیا جاتا ہے، لہٰذا اس بات سے عملی امور اعتقادی امور سے زیادہ بڑھ کر ہیں۔

اس کے لیے ہم ایک توضیحی مثال بیان کرتے ہیں، ایک شخص حدیث آحاد کے مطابق قبر میں فرشتوں کے سوال یا قبر کے بھینچنے کے حق ہونے کا اعتقاد کرتا ہے اور اسی پر مر جاتا ہے اور دوسرا شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ زیادہ نشہ آور شراب سے تھوڑا سا پی لینا مباح ہے یا حلالہ کو وہ حلال سمجھتا ہے، جسے دمشق کے لوگ (تحیشہ) کہتے ہیں، بعض مذاہب طبعی طور پر کسی دلیل کی وجہ سے اس کی اباحت کے قائل ہیں، لیکن وہ دلیل قطعی طور پر ظنی ہے، پھر وہ اسی پر مر جاتا ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سنت صحیحہ کی شہادت کے مطابق غلطی پر تھا۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے معاشرے کے لیے کون زیادہ خطرناک تھا؟ کیا وہ شخص جو اعتقاد کے متعلق دھوکہ میں تھا یا دوسرا جو حرام، شراب اور شرم گاہوں کو مباح سمجھنے کے دھوکہ میں تھا۔

اسی بنا پر اگر کوئی کہنے والا کہے کہ حرام اور حلال خبرِ آحاد سے ثابت نہیں ہوتے بلکہ ان کے لیے کوئی قطعی الدلالت آیت کا ہونا ضروری ہے یا ایسی حدیث متواتر کا ہونا ضروری ہے جو قطعی الدلالت ہو تو متکلمین اور ان کے پیرو اس کا جواب نہیں دے سکیں گے۔

ہم اگر جائز قرار دیتے کہ اس طرح کی باتوں میں عقل کو حکم بنائیں اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کی اجازت نہیں دی عقل کے ذریعہ ان کو مشروع مانیں جیسا کہ یہ باطل قول کہہ کر متکلمین نے کیا ہے، تو ہم بالکل اس کے خلاف کہتے، اس لیے کہ یہ ان کے قول کی بہ نسبت عقل سلیم سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن اس طرح کے قول یا اس کی نقیض کے کہنے سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس لیے کہ دونوں باتیں شریعت میں داخل ہیں، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں میں برابری کی ہے ان میں ہم فرق نہیں کرتے اور جن میں فرق کیا ہے ان میں ہم برابری

نہیں کرتے، بلکہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ لے کر آئے اور طریق آحاد سے یا تواتر سے یا اعتقاد یا عمل کے باب سے ہو، تو اس کے متعلق خبر صحیح ثابت ہوئی ،ہم ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ساری تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے۔

تیرہویں وجہ

⑬..... عقیدہ اور اس کے اثبات سے متعلق ان کا تردیدی قول عملی احکام میں بھی حدیث آحاد پر عمل کے بیکار کرنے کو مستلزم ہے اور یہ باطل ہے جس کے وہ بھی قائل نہیں اور جس سے باطل لازم آئے تو وہ بھی باطل ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بہت سی عملی احادیث اعتقادی امور کو بھی شامل ہیں، رسول اللہ ﷺ ہم سے فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی آخری تشہد میں بیٹھے تو چار باتوں سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور وہ کہے۔ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور جہنم کے عذاب سے اور مرنے اور جینے کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے (اسے شیخین نے روایت کیا ہے)

اس طرح اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کا یہاں بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ [1] اب

---

[1] انہی میں سے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے۔ **اللھم بعلمك الغیب وقدرتك علی الحق احینی ما كانت الحیاة خیرا لی و توفنی اذا كانت الوفاة خیرا لی اللھم انی اسالك خشیتك فی الغیب و الشھادہ و اسالك بر دالعیش بعد الموت و اسالك لذة النظر الیٰ وجھك الكریم و الشوق الیٰ لقائك وفی غیر مزاء ضراء و لا فتنة مضلة۔** (نسائی رقم ۱۳۰۶ کتاب الصلوة) اسے نسائی نے جید سند سے نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا سوال، اس کی ملاقات کا شوق اور اس کے وقوع کا تصور اس شخص کے بارے میں ہوسکتا ہے جو جنت میں اللہ تعالیٰ کی رویت کا ایمان رکھتا ہو، کیونکہ مذکورہ دعا کی صورت میں یہ لازم آئے گا کہ اس نے اپنے پروردگار سے ایسی چیز مانگی جس پر خود اس کا ایمان نہیں ہے اور اگر اس سے اعراض کیا تو ایسے حکم پر عمل کرنے سے اعراض کیا جو نبی ﷺ سے حدیث آحاد سے ثابت ہے، یعنی ان الفاظ کے ساتھ..... بھی کرے شریعت سے جو بات ثابت ہے اس کا وہ مخالف قرار پائے گا لہٰذا ان لوگوں کو بچنا چاہئے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝) ہرگز نہیں بے شک یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں ہوں گے۔

اس نظریہ کے قائل اگر اپنے نظریہ پر عمل کریں گے اور اس حدیث پر عمل ترک کردیں گے تو وہ اپنے اصولوں میں سے ایک اصل کو توڑ دیں گے، یعنی احکام میں حدیثِ آحاد پر عمل کا وجوب اور ان کے لیے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ یہ اصول ٹوٹ گیا، اس لیے کہ بیشتر شریعت احادیثِ آحاد ہی پر قائم ہے اور اگر اصول مذکور سے قطع نظر اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، تو یہ عمل ان کے اس قول کو باطل کردے گا۔

پھر اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس حدیث پر عمل کریں گے لیکن اس میں عذاب قبر اور مسیح دجال کا جو اثبات ہے اس کا اعتقاد نہیں کریں گے، تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے عقیدہ کا ہونا لازمی ہے جیسا کہ دسویں وجہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے، ورنہ یہ عمل نہ مشروع ہوگا اور نہ ہی عبادت، لہٰذا نتیجہ کے طور پر انہوں نے اپنے مذکورہ اصول پر عمل نہیں کیا اور اس کے بطلان کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ اس سے اس کے وجوب پر قائم صحیح دلائل کا بطلان لازم آتا ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

چودھویں وجہ

⑭......اس خیال پر اصولیوں کے اتفاق کا دعویٰ باطل ہے اور یہ جرأت بے جا ہے اور کتبِ اصول وغیرہ میں اختلاف معروف چیز ہے۔ کچھ معاصر اہل قلم نے اس باب میں بعض ان معاصرین کی تقلید کی ہے جو اپنی نقل کی ہوئی بات کی تحقیق نہیں کرتے ورنہ اتفاق مذکور کا اس بات پر دعویٰ کہ خبرِ واحد علم کا فائدہ دیتی ہے، کیسے صحیح ثابت ہوگا۔ امام مالک، شافعی، اصحاب ابوحنیفہ اور داؤد بن علی کے اصحاب جیسے ابن حزم [1] وغیرہ رحمہم اللہ نے اثبات کا خیال ظاہر کیا ہے، اس پر حسین بن علی کرابیسی اور حارث بن اسد محاسبی نے بھی اثباتی خیال ظاہر کیا ہے۔ ابن خویز منداد نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں لکھا ہے (انہوں نے خبرِ واحد کا ذکر کیا ہے جسے ایک یا دو راویوں نے روایت کیا ہو) کہ اس قسم سے بھی علم یقینی حاصل ہوتا ہے، مالک نے اس کی تائید کی

---

[1] اس کے لیے انہوں نے اتنے زیادہ قوی دلائل پیش کئے ہیں جو اصول کی دیگر کتابوں میں آپ نہیں پا سکتے دیکھئے احکام الاحکام ۱/۱۱۹، ۱۳۸۔

ہے اور احمد نے رویت والی حدیث کے متعلق کہا ہے، ہم جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اور اس کے علم پر ہمیں یقین حاصل ہے۔ قاضی ابو یعلی نے کتاب المخبر ❶ کی ابتداء میں کہا ہے، خبر واحد جبکہ اس کی سند صحیح ہو علم کو واجب کرتی ہے، نیز یہ کہ اس میں روایت مختلف نہ ہو اور امت نے اسے قبول کیا ہو، لیکن ہمارے اصحاب کا قول اس کے بارے میں مطلق ہے کہ وہ علم کو واجب کرتی ہے خواہ اسے امت نے قبول نہ کیا ہو، اور مذہب وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے، نہ کہ اس کے علاوہ، شیخ ابو اسحاق شیرازی ❷ اپنی اصولی کتب میں جیسے التبصرہ اور شرح اللمع وغیرہ میں کہا ہے۔ شرح کے الفاظ یہ ہیں کہ:

خبر واحد کو جب امت نے قبول کیا تو اس سے علم اور عمل واجب ہو جاتا ہے خواہ اس پر سب نے عمل کیا ہو یا بعض نے اور اس باب میں انہوں نے اصحاب شافعی کے کسی نزاع کا ذکر نہیں کیا۔ یہی قول قاضی عبدالوہاب نے مالکیہ کے فقہا کے ایک گروہ سے نقل کیا ہے۔ حنفیہ نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے کہ خبر مستفیض علم کو واجب کرتی ہے اور اس کی مثال انہوں نے نبی ﷺ کے اس قول سے بیان کی ہے کہ: لا وصیۃ لوارث ''وارث کے لیے وصیت نہیں ہے'' باوجودیکہ یہ روایت طریق آحاد سے منقول ہے، انہوں نے کہا اس کے مثل سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث، مجوس سے جزیہ لینے کے متعلق ہے اور ہم نے کہا ہے کہ اس طور کی خبریں علم کا فائدہ دیتی ہیں اور خبر دینے والے کی صحت کے علم کو واجب کرتی ہیں۔ اس سے پہلے جب ہم نے سلف کو اسی طریق پر پایا کہ اس طرح کی خبر کو قبول کرنے پر انہوں نے اتفاق کیا، تو اس میں انہوں نے کسی چھان بین اور اصولی یا اس جیسی چیز سے اس کے مقابلہ کی ضرورت نہیں سمجھی، باوجودیکہ یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ اخبار کے قبول کرنے، ان میں غور و

---

❶ اصل میں اسی طرح ہے شاید وہ کتاب (المجرد) ہے جو امام احمد کے مذہب پر فقہ کی کتاب ہے (الاعلام)

❷ یہ ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی (۳۹۳،۴۷۶) ہیں مناظر علامہ ہیں، شافعیہ کے کبار علماء اصول میں سے ہیں، یہ مدرسہ نظامیہ بغداد میں مدرس تھے، ان کی کتب میں فقہ میں المھذب اور اصول میں التبصرہ ہیں، آخری کتاب مخطوطہ ہے۔

فکر کرنے اور اصول پر انہیں پرکھنے کے متعلق ان کے مخصوص طریقے ہیں، اس سے ہمیں ان کے طریقے کے متعلق یہ بات وضاحت سے معلوم ہوتی ہے کہ اس کے حکم کی طرف وہ اسی طور پر چلے جس طور پر ان کے نزدیک اس کی صحت اور درستی ثابت ہوئی، تو اس سے ہمارے لیے اس کی صحت کا علم واجب ہوگیا۔ یہ ابوبکر رازی [1] کی کتاب اصول الفقه کے الفاظ ہیں۔ [2]

پندرہویں وجہ

⑮......بطور جدل مان لیجیے کہ مزعومہ اتفاق صحیح ہے، لیکن یہ اصولیوں کے نزدیک علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ یہ اس بات سے مقید ہے کہ جب وہاں اس کا کوئی شاہد موجود نہ ہو۔ ابوالطیب نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ خبرِ آحاد کے ظن یا علم کا فائدہ دینے کے متعلق اختلاف [3] اس بات سے مقید ہے کہ جب اس سے کوئی ایسی روایت نہ ملائی جائے جو اسے تقویت دے، لیکن تقویت دینے والی روایت جب اس سے ملے یا وہ مشہور یا مستفیض ہو تو اختلاف مذکورہ کا یہاں دخل نہ ہوگا اور اس بات میں کوئی نزاع نہیں کہ جب خبرِ واحد کے مقتضا عمل پر اجماع ہو تو وہ علم کا فائدہ دے گی، کیونکہ اجماع نے اسے معلوم الصدق بنا دیا، اسی طرح خبرِ واحد کو جب امت نے قبول کیا تو اس پر عمل اور اس کی تاویل کے درمیان کا راستہ اپنایا اور تاویل قبولیت کی فرع ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کا تعلق اسی قسم سے ہے جن کی صحت میں کوئی طعن نہیں ہے اور ان کی تعداد زیادہ تر ہے۔ [4]

سولہویں وجہ

⑯......اس بنیاد پر کہ اس اختلاف سے پہلے ان احادیث کی قبولیت اور رب تعالیٰ کی صفات اور علمی غیبی امور کے ان احادیث سے اثبات پر یقینی اور معلوم اجماع واقع ہو چکا ہے،

---

[1] یہ امام احمد بن علی رازی جصاص صاحب کتاب احکام القرآن، متوفی ۳۷۰ھ ہیں۔

[2] الصواعق ۲/۳۶۲،۳۶۴۔ [3] میں کہتا ہوں کہ مزعومہ اتفاق کہاں ہے۔

[4] حصول المأمول من علم الاصول، ص ۵۶۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جس شخص کو روایات کا کچھ تجربہ ہے تو وہ اس امر میں شک نہیں کرے گا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا ہے اور بعض نے بعض سے قبول کیا ہے اور کسی نے بھی روایت کرنے والے سے ان کا انکار نہیں کیا، پھر ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے اول اور آخر کے تمام تابعین نے لیا اور جس نے بھی ان سے ان روایات کو سنا انہیں قبول کیا اور ان کی تصدیق کی اور جس نے ان سے نہیں سنا تو اسی طرح انہیں تابعین سے لیا اور تبع تابعین نے تابعین سے لیا اور یہ ایسی بات ہے کہ جسے اہل حدیث عام طور پر جانتے ہیں جس طرح کہ وہ صحابہ کے عدل اور ان کے صدق و امانت کو جانتے ہیں اور جیسے ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو، غسلِ جنابت، نماز کی تعداد اور اوقات، اذان، تشہد، جمعہ اور عیدین وغیرہ کا روایت کرنا، جن لوگوں نے ان چیزوں کی روایت کی ہے انہی لوگوں نے احادیث صفات کو بھی نقل کیا ہے، اگر ان کے نقل میں ان سے متعلق خطا و کذب کا جواز ہوتا تو ان روایات کے علاوہ مذکورہ دوسری روایات میں بھی یہ بات جائز ہوتی اور ایسی صورت میں قطعی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایات میں سے کسی پر ہمارے لیے وثوق نہیں رہ جاتا جو کہ دین، علم اور عقل سے دوری کی بات ہے، کیونکہ اسلام پر تنقید کرنے والے بہت سے لوگوں نے اسے عام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمیں ان میں سے کسی چیز پر مطلق بھروسہ نہیں ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا کہ ان لوگوں کو سنت اور دین حق سے دوری نصیب ہوئی، انہوں نے کفر کو ظاہر کیا اور اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے نکال دیا اور احادیث کے رد میں ان کے اس قول نے مختلف فرقے پیدا کر دیئے۔ ❶

پھر دس سے زیادہ گروہوں اور ان کی انکار کردہ سنتوں کا ذکر کیا ہے، وہ لوگ اس میں افراط اور تفریط کی راہوں میں ہیں اور کچھ احادیث احکام اور احادیث صفات میں فرق کرتے ہیں، امام ابن قیم رحمہ اللہ کی یہ بحث بہت نفیس ہے، شائقین کو ان کی پوری بحث دیکھنی چاہئے، اگر مجھے طول کلام کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں پوری کی پوری بحث نقل کرتا۔

گذشتہ بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خبر آحاد جسے امت نے قبول کیا وہ علم کا فائدہ دیتی

---

❶ الصواعق ۲/ ۴۳۳، ۴۳۴۔

ہے اور اگر بات ایسے ہی ہے تو پھر اس سے عقیدہ بھی ثابت ہوگا اور متکلمین میں سے جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے ان پر کوئی اعتماد نہیں ہے، اس لیے کہ ایسے لوگ کتاب وسنت کے دلائل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ائمہ رحمہم اللہ کے اجماع کے مخالف ہیں۔

سترہویں وجہ

⑰..... فرض کیجئے کہ احادیثِ آحاد علم ویقین کا فائدہ نہیں دیتیں، لیکن ان کے اتفاق کے مطابق یہ ظن غالب کا فائدہ قطعی طور پر دیتی ہیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان سے اسماء وصفات کا اثبات ناجائز نہیں ہے، جس طرح طلبی احکام کا اثبات ناجائز نہیں پھر آخر باب طلب اور باب خبر میں اس اعتبار سے کیا فرق ہے کہ دونوں میں سے ایک میں ان سے حجت پکڑی جائے اور دوسرے میں نہیں؟ یہ تفریق اجماع امت سے باطل ہے، ہمیشہ ان احادیث سے خبریات میں ایسے ہی استدلال کیا جائے گا جس طرح کہ احکامات اور عملیات میں کیا جاتا ہے، خصوصاً عملی احکام اس خبر پر مشتمل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح مشروع فرمایا ہے یا اسے واجب قرار دیا ہے اور دین کے لیے اسے پسند کیا ہے، اس طرح اس کی شریعت اور اس کا دین اس کے اسماء وصفات سے متعلق ہیں اور ہمیشہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور علماء حدیث وسنت، صفات، تقدیر، اسماء اور احکام کے مسائل میں انہیں اخبار سے حجت پکڑتے تھے اور قطعی طور پر ان میں سے کسی سے یہ بات منقول نہیں کہ اس نے ان کے ذریعہ احکام کے مسائل میں استدلال کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں نہیں کیا، تو ان دونوں باتوں میں فرق کرنے والوں کے اسلاف کدھر ہیں؟!

ہاں ان کے اسلاف کچھ متاخرین متکلمین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس باب میں کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہدایت طلبی سے دلوں کو باز رکھتے ہیں اور متکلمین کی آراء اور متکلفین کے قواعد کا حوالہ دیتے ہیں۔ انہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں میں فرق ہے اور اس تفریق پر انہوں نے اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے، حالانکہ مسلمان ائمہ کرام میں سے کسی امام سے یہ خود ساختہ اجماع منقول نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی اور تابعی سے، اہل کلام کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسی باتوں کے لیے اجماع بیان کر دیتے ہیں جسے مسلمان ائمہ میں سے کسی نے نہ کہا ہو، بلکہ ائمہ

اسلام تو اس کے خلاف ہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا اس نے جھوٹ کہا، اصم ❶ اور ابن علیہ ❷ اور اس جیسے لوگ اپنے دعویٰ ❸ اجماع سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

اٹھارویں وجہ

⑱.....دلیل کا ظنی یا قطعی امور سے ہونا ایک اضافی امر ہے جو حاصل کرنے والے اور استدلال کرنے والے کے بدلنے سے بدل جاتا ہے اور یہ کوئی حقیقی صفت نہیں ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق کوئی ذی عقل نزاع نہیں کر سکتا، زید کے نزدیک کبھی وہ دلیل قطعی ہوتی ہے جو عمرو کے نزدیک ظنی ہے، لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث جوامت میں رائج ہیں علم کا فائدہ نہیں دیتیں بلکہ یہ ظنی ہیں، گویا کہ اس سے وہ اپنی حالت کی خبر دے رہے ہیں، کیونکہ اہل سنت نے جن طریقوں سے جو علم حاصل کیا ہے وہ انہیں حاصل نہیں ہوا، لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ ان سے علم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، ان سے حکم عام لازم نہیں آتا، یہ اس استدلال کے مشابہ ہے کہ کسی چیز کو پانے والا اور اس کا جاننے والا اس کا پانے والا اور جاننے والا نہیں ہے وہ ایسے شخص کی طرح ہے جو تکلیف یا لذت یا محبت یا بغض اپنے اندر محسوس کرتا ہے، لیکن کوئی ایسا شخص اس کے سامنے آتا ہے، جو اس بات کی دلیل پیش کرتا ہے کہ اسے درد، یا تکلیف یا محبت یا بغض نہیں ہے، اور دیگر بہت سے شبہات کا بیان

---

❶ یہ ابوبکر عبدالرحمٰن بن کیسان معتزلی صاحب مقالات فی الاصول ہے، یہ ابوالہذیل علاف کے طبقہ سے ہے بلکہ، اس سے قدیم تر یہ ابراہیم بن علیہ کے شیوخ میں سے ہے جو امام احمد کے کلام میں اس کے ساتھ شامل ہے، اس کی بہت سی آراء ہیں جن میں سے اہل سنت بلکہ کبھی کبھی معتزلہ نے بھی اختلاف کیا ہے، جیسے اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کا انکار کیا ہے، اس سلسلے کی معلومات کے لیے مقالات الاسلامیین لابی الحسن الاشعری کے درج ذیل صفحات کا مطالعہ کیجئے۔۲۲۳، ۲۴۲، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۸، ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۴۳، ۳۴۴، ۴۵۱، ۴۵۶، ۴۶۰، ۴۶۷، ۵۶۴، ۵۸۸۔

❷ یہ ابراہیم بن اسماعیل بن مقسم الاسدی ابواسحاق مصری ہے، ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ یہ گمراہ جہمی ہے، مناظرہ کرتا تھا اور خلق قرآن کا قائل تھا، ۲۱۸ء میں فوت ہوا اس کے والد اسماعیل ثقہ اور حافظ تھے جو شیخین کے رجال میں سے تھے۔۱۹۳م۔ ❸ الصواعق ۴۱۲/۲، ۴۱۳۔

کیا جاتا ہے، جن کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز تمہیں حاصل ہے وہ مجھے حاصل نہیں اور اگر حق ہوتی تو ہم اور تم اس میں مشترک ہوتے اور یہ عین باطل ہے۔ ایک شاعر نے کتنی اچھی بات کہی ہے۔

اقول للائم المهدى ملامته ذق...... الهوى فان اسطعت الملام لم

ملامت کا ہدیہ بھیجنے والے سے میں کہتا ہوں کہ محبت کا مزہ چکھ لے۔ پھر ملامت کی طاقت ہو تو ملامت کر۔

ایسے لوگوں سے کہا جائے گا کہ اپنی توجہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی طرف پھیر دو، ان کے خواہش مند بنو، ان کا تتبع کرو اور ان کو جمع کرو، ان کو نقل کرنے والوں کے اصول اور ان کی سیرت سے آگاہی حاصل کرو، ان کے سوا ہر بات سے اعراض کرلو، ان کو اپنی طلب کی منزل اور اپنے ارادے کی آخری حد بنالو، بلکہ ان کے لیے ایسے ہی حریص بن جاؤ جیسے ارباب مذاہب کے پیرو اپنے ائمہ کے مذاہب کی معرفت کے حریص ہوتے ہیں کہ انہیں اتنا ضروری علم حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ ان کے مذاہب کے خیالات واقوال ہیں اور اگر کوئی انکار کرنے والا ان کا انکار کرے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث علم کا فائدہ دیتی ہیں یا نہیں، احادیث اور ان کے طلب سے تمہارا اعراض تمہیں علم کا فائدہ نہیں دے سکتا اور اگر تم یہ کہو کہ یہ تمہیں بطور ظن کے کوئی فائدہ نہیں دے سکتیں تو اس سے گویا تم اس بات کا اظہار کر رہے ہو کہ احادیث کے متعلق تم کتنے پانی میں ہو۔ [1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ جب احادیث سے اعراض، ان کی روایت سے نفرت اور ان کے خلاف کہنے والوں سے حسن ظن اس کے لیے طے ہو چکا ہے یا شیطانی اور خیالی تعارض اس کے دل میں جاگزیں ہے تو ایسی صورت میں معاملہ اس آیت کے مطابق ہوگا۔

---

[1] الصواعق ۲/۴۳۲، ۴۳۳۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ۝ ❶

کہہ دو وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔

اگر اس کا عشر عشیر بھی ہوتو انہیں علم اور ایمان حاصل نہیں ہوسکتا اور دل میں تواتر کے ذریعہ علم کا حصول آسودگی اور سیرابی کی طرح ہے اور ہر خبر علم کے کسی حصہ کا فائدہ دیتی ہے، پھر جب کئی خبریں اکٹھی ہو جائیں اور باہم قوی ہو جائیں تو علم کا فائدہ دیتی ہیں یا تو کثرت کے سبب سے یا قوت کے سبب سے یا دونوں کے مجموعہ سے، پس جب سامع کے دل میں ان خبروں سے متعلق ان کے طرق کا علم، ان کے رواۃ کے حالات کی معرفت اور ان کے معانی کا فہم جمع ہو گیا تو اسے ایسا ضروری علم حاصل ہو گیا جسے دور کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے تمام ائمہ حدیث جن کے بارے میں تمام امت کلمہ خیر کہتی ہے، ان احادیث کے مضمون کے متعلق یقین رکھتے ہیں اور ان کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ پر گواہی دیتے ہیں، اس علم کے باوجود کہ جن کو ان کی سیرت اور ان کے حالات کی خبر ہے کہ وہ صدق اور امانت و دیانت میں سب لوگوں سے بڑھ کر ہیں، تمام لوگوں سے زیادہ صاحب فہم ہیں، سب سے زیادہ صدق کے ماننے والے اور اس کا تحفظ کرنے والے ہیں، کذب سے پرہیز کرنے والے ہیں اور اس معاملہ میں وہ اپنے باپ، بیٹے، استاد اور دوست کے لیے کوئی رواداری نہیں اپناتے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی روایات کو اس طرح قلم بند کیا کہ ان کے سوا کوئی اس مقام تک نہیں پہنچ سکا، نہ انبیاء کرام علیہم السلام سے نقل کرنے والے اور نہ غیر انبیاء سے۔ انہوں نے اپنے اساتذہ کو اسی حال پر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پایا اور انہوں نے اپنے سے اوپر والوں کو اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پایا، یہاں تک کہ معاملہ ان لوگوں تک پہنچ جاتا ہے کہ جن کی اللہ تعالیٰ نے بے مثال تعریف کی ہے، ان سے اپنی رضامندی

---

❶ پوری آیت اس طرح ہے۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ (فصلت ۴۴)

کی خبر دی اور یہ کہ اس نے انہیں منتخب کیا ہے اور قیامت کے دن دیگر امتوں پر انہیں گواہ بنائے گا۔ اب جو شخص اس میں غور و فکر کرے گا تو اسے اس بات سے علم یقینی کا فائدہ حاصل ہوگا جسے وہ لوگ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، جو ہر اس علم سے بڑھ کر ہے جسے ہر گروہ اپنے پیشوا سے نقل کرتا ہے۔ یہ ان کے نزدیک ایک وجدانی امر ہے بلکہ لذت والم محبت وبغض کے احساس کے مقام میں ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو گواہی دیتے ہیں، قسم اٹھاتے ہیں، اور اس کی مخالفت کرنے والے سے مباہلہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اخبار و سنن میں جرح کرنے والوں کے قول کے مطابق یہ بات جائز قرار پاتی ہے کہ ان اخبار کے راوی کاذب اور غلطی کرنے والے ہوں، آپ کے دشمنوں کے اس قول کے مشابہ کہ: یہ بات ہوسکتی ہے کہ یہ باتیں لے کر جو اس کے پاس آیا ہے وہ جھوٹا شیطان ہو، جبکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اہل الحدیث تمام گروہوں میں سب سے صادق تر ہیں، جیسا کہ عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے کہ میں نے دین اہل حدیث کے لیے پایا اور کلام معتزلہ کے لیے اور کذب روافض کے لیے اور حیلے (بہانے) اہل رائے کے لیے۔ اہل الحدیث کو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ احادیث فرمائی ہیں اور انہیں مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں بیان فرمایا ہے تو اس سے انہیں ضروری اور یقینی علم حاصل ہوگیا، اس کے بعد سنت وحدیث سے کوئی لگاؤ نہ رکھنے والے کا یہ قول کہ اخبار آحاد علم کا فائدہ نہیں دیتیں ان کے نزدیک مقبول نہیں، اس لیے کہ یہ علم یقینی کے حصول کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے مخالف یا تو اپنے لیے علم کے حصول کا انکار کرتے ہیں یا اہل الحدیث کے لیے، اگر اپنے لیے کرتے ہیں تو یہ بات دوسرے کے حصول میں خارج نہیں ہوسکتی اور اگر اہل الحدیث کے لیے انکار کرتے ہیں تو ان کے اپنے نفس کے علم سے مکابرہ کرتے ہیں، جیسے کہ ایک شخص اپنے نفس میں فرحت یا الم اور خوف ومحبت کے احساس سے اپنے غیر سے مکابرہ کرے اور مناظرہ جب اس حد تک پہنچ جائے تو اس میں کوئی فائدہ باقی نہیں رہ جاتا اور ایسی صورت میں اللہ اور رسول کے حکم مباہلہ کی طرف لوٹنا مناسب تر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ٥ (آل عمران ۶۱) [1]

(اے محمد ﷺ) اس کے بعد کہ تجھ کو علم پہنچ چکا ہے جو تجھ سے جھگڑا کرے تو، تو کہہ دے آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو بلائیں (اکٹھا کریں) اور اپنی جان اور تمہاری جان کو، پھر ہم دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں۔

انیسویں وجہ

⑲..... اس باطل نظریہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ صرف قرآن کریم میں جو عقیدہ مذکور ہے اسی کے ماننے پر اکتفا کیا جائے اور حدیث کو اس سے جدا کر دیا جائے اور حدیث میں جتنے عقائد اور غیبی امور موجود ہیں انہیں کسی شمار میں نہ رکھا جائے جیسے کہ اہل قرآن کے نام سے معروف گروہ کا خیال ہے، اس لیے کہ یہ لوگ حدیث کو مطلق محل استدلال میں نہیں رکھتے سوائے ان کے جو قرآن کے موافق ہوں اسی بنا پر ان کی نماز ہماری نماز کی طرح نہیں ہے، [2] ان کی زکوٰۃ ہماری زکوٰۃ کی طرح نہیں ہے، ان کی ہر عبادت ہماری عبادات سے مختلف ہے، جس کے نتیجہ میں ان کے عقائد ہمارے عقائد سے مختلف ہیں اس لیے قدرتی طور پر یہ غیر مسلمین کی طرح ہیں اور ایسے ہی لوگوں کی طرف رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث میں اشارہ فرمایا ہے:

---

[1] الصواعق ۲/ ۳۵۷، ۳۵۹

[2] ان میں سے ایک شخص سے میں نے مطالبہ کیا کہ اپنی نماز دکھلاؤ تو اس نے ایسی نماز پڑھی جس پر قرآن کی بھی دلالت نہیں ہے کیونکہ وہ کچھ ایسی دعاؤں اور اذکار کا مجموعہ تھی کہ جن کی کوئی اصل نہیں سنت تو اس سے بہت دور کی بات ہے۔

سنو! مجھے قرآن عطا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی، سنو! قریب ہے کہ ایک آسودہ حال شخص کہے گا تم قرآن کو لازم پکڑلو اور اس میں جو تم حلال پاؤ اسے حلال کرو اور جو حرام پاؤ اسے حرام کرو، سنو! تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں اور نہ ہی درندوں میں دانت والے جانور اور نہ کسی معاہد کا لقطہ مگر یہ کہ اس کا مالک اس سے استغنا ظاہر کرے اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو تو ان کا فرض ہے کہ اس سے حسن سلوک کریں، پس اگر وہ اچھی ضیافت نہ کریں تو مہمان کو چاہیے کہ اپنی مہمان نوازی سے محرومی کا عوض ان سے لے لے۔ ❶

میں کہتا ہوں کہ جو لوگ یہ باطل قول ثابت کرتے ہیں تو وہ اپنی گمراہی کے ایک بڑے حصے میں ان گمراہوں کے شریک ہیں یعنی عقیدہ سے متعلق امور میں صرف قرآن کریم پر اکتفا کرنا، یہ بات اگر چہ پہلی منزل میں بظاہر ان لوگوں کے مذکورہ قول کے مخالف ہے، کیونکہ یہ لوگ حدیث متواتر سے عقیدہ کو ثابت کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ صرف لفظی اختلاف ہے نہ کہ معنوی۔ تحقیق یہ کہتی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ نظریاتی ہے نہ کہ عملی، ورنہ جو لوگ اس بات کو ثابت کرتے ہیں، تو انہیں چاہیے کہ حدیث متواتر کی بنیاد پر اپنے عقائد میں سے کسی ایک عقیدہ کو ثابت کریں، میں شخصی طور پر نہیں سمجھتا کہ علماء کلام میں سے کوئی فرد حدیث متواتر سے کوئی عقیدہ ثابت کرتا ہو، کیونکہ حدیث اور اس کے طرق کے متعلق یہ لوگ سب سے زیادہ نادان ہیں، نیز حدیث سے شغل اور اس کے طلب سے سب سے زیادہ بچنے والے ہیں جس وجہ سے یہ لوگ اکثر احادیث کے متعلق یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ احادیث آحاد ہیں، حالانکہ علم حدیث کے جاننے والوں کے نزدیک یہ متواتر ہیں۔

مجھے شدید افسوس اس بات پر ہوتا ہے جب میں کچھ اہل قلم کو دیکھتا ہوں کہ وہ خود اپنی بعض کتب میں اپنے ثابت کردہ اس اصول کو بھول جاتے ہیں کہ ہر علم میں ماہرین اشخاص کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، پھر ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ متواتر احادیث پر، احادیثِ آحاد کا حکم لگا

---

❶ (ابو داؤد ۲/۵۰۵)

دیتے ہیں، یہ بات گذشتہ اور معاصر علماء علم کلام کی تقلید میں ہوتی ہے، وہ ان اہل الحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے جو حدیث کے طرق اور رجال کے جاننے والے ہیں، مثال کے طور پر انہی لوگوں میں سے ایک شخص ہر رات آسمان دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کے نزول کی حدیث پر تعلیق لگاتے ہوئے کہتا ہے کہ نزول اور اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کے بارے میں احادیث آحاد وارد ہیں اور یہ علم کا فائدہ نہیں دیتیں، جب کہ حدیث نزول اہل الحدیث کے نزدیک متواتر ہے، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے تہذیب السنن (۷/۱۰۷) میں اس کی توضیح کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیس سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات ۴۵۱ میں ان میں سے دس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام گنوائے ہیں۔ انہوں نے خود اور شیخین اور آجری نے (۳۰۷، ۳۰۹ میں) ان میں سے کچھ کی احادیث روایت کی ہیں اور ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل (رقم ۴۴۹) اور تخریج کتاب السنة لابن ابی عاصم (رقم ۴۹۲۔۵۰۸) میں، میں نے ان میں سے بعض کی تخریج کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے سے متعلق احادیث اگر متواتر نہیں ہیں تو مستفیض ضرور ہیں، صرف بیہقی نے (۴۲۱۔۴۲۴ میں) ان میں سے پانچ کی روایت کی ہے اور ان پر آیت پاک ''ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ'' کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو جو آسمان میں ہے، کی شہادت مستزاد ہے بشرطیکہ مصنوعی مجاز کے نام پر تاویل و تعطیل کا سہارا نہ لیا جائے۔ ❶

ان میں سے کچھ حدیث رویت کے متعلق بھی حکم لگاتے ہیں کہ یہ حدیث آحاد ہے، حالانکہ ماہرین حدیث اور ان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک یہ متواتر حدیث ہے اور اس کے تواتر کی توضیح ابوالحسن اشعری نے کی ہے۔ ❷

---

❶ جو شخص یہ جاننا چاہے کہ مجاز کہنے کی لغت میں کوئی اصل نہیں ہے اور لغت کے ائمہ میں سے کسی نے اسے نہیں کہا ہے، تو اسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی اس تحریر کو پڑھنا چاہیے جو انہوں نے کتاب الایمان میں اس سے متعلق لکھی ہے، نیز ابن قیم کی الصواعق کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

❷ دیکھو المذاهب الاسلامیه، لابی زهره، ص ۲۶۷۔

اسی طرح نزول مسیح اور ظہور دجال کی حدیث پر عدم تواتر کا حکم لگاتے ہیں اور یہ ان عقائد کے متعلق بطور مثال ہے کہ بقول ان کے نوجوان جن پر ایمان کے مکلف نہیں ہیں حالانکہ حدیثِ نزول اہل الحدیث کے نزدیک متواتر ہے۔ میں نے خود صرف اس روایت کے بیس طرق بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جمع کیے تھے جن میں سے ہر ایک عیسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے میں نزول کی تصریح کرتی ہے اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض کی حدیث کے ایک سے زیادہ طرق ہیں اور وہ سب کے سب صحیح ہیں۔ میں نے ایک مفصل مقالہ مجلّہ الرسالہ میں شائع شدہ ایک تحریر کے جواب میں لکھا تھا جو اس حدیث اور حیات عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی وفات سے متعلق ایک سوال کا جواب ہے۔ صاحب مقالہ نے اس میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ حدیث آحاد ہے، میں نے یہ مقالہ مجلّہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا تھا لیکن کچھ باہوش ادباء نے مجھے ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا کہ اہل مجلّہ صاحب تحریر کی مخالفت کی وجہ سے اسے شائع نہیں کریں گے اور اگر ضروری ہے تو اس کا اختصار کر دیجیے، چنانچہ میں نے ڈیڑھ صفحے میں اس کا خلاصہ کر دیا جبکہ اس کی اصل بیس صفحے پر پھیلی ہوئی ہے، لیکن پھر بھی اس کی اشاعت نہ ہو سکی۔

بے شمار متواتر احادیث کی یہ تھوڑی سی مثال ہے جن پر احادیث کا علم نہ رکھنے والے حدیث آحاد کا حکم لگاتے ہیں، حالانکہ علم حدیث کے جاننے والوں کے نزدیک یہ مشہور ترین متواتر احادیث میں سے ہیں، پھر بھی اگر اہل کلام ان کے حقائق کو ثابت نہ کریں، ان کے مضمون پر یقین نہ کریں اور ان پر اعتقاد نہ کریں تو ''فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ○'' پھر اس کے بعد کس بات پر لوگ ایمان لائیں گے؟

حق وہی جو میں نے عرض کیا ہے اور یہ باطل قول اپنے قائلین کو عقیدہ کے باب میں اہل قرآن کی اقتداء میں صرف قرآن کریم پر انحصار کرنے کی طرف لے جائے گا، جبکہ اوپر میری پیش کی گئی مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں، لیکن یہ سب استنباط اور بطور الزام تھا۔ اس بارے میں معاصر اہل قلم میں سے ایک شخص کے کلام کی واضح تحریر پڑھیے جو صراحت سے اس نظریہ کے اثبات کا دعویٰ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ توحید کے باب میں صرف آیات قرآنی

کی طرف رجوع کے انحصار کا اثبات۔ ❶

اس باطل قول کی طرف بعض معاصر مشائخ نے بھی سبقت کی ہے جن میں مشہور شیوخ از ہر میں سے ایک شیخ ہیں، وہ بہت صریح عبارت میں جس میں تاویل کی گنجائش نہیں کہتے ہیں کہ

وہ مسلمان جو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ غیبی امور میں صرف قرآن کریم ہی عقیدہ کا مصدر ہے (اور اسی حق بات پر ہمارا بھی ایمان ہے) اور فرشتوں پر ایمان سے متعلق اس حد پر ٹھہر جاتے ہیں کہ ان کے متعلق قرآن نے جس حد کی خبر دی ہے۔ ❷ (صفحہ ۴۳۱) پر مزید کہتے ہیں۔

اور عقائد میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جسے منفرد طور پر حدیث ثابت کرتی ہو، صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں کہ کتاب القاصد کے مؤلف نے (جو علم کلام کی ایک کتاب ہے) یہ بیان کیا ہے کہ علامات قیامت کی تمام احادیث آحاد ہی ہیں، یہ وہ نتیجہ ہے جس تک یہ لوگ احادیث میں مذکور مطلق اعتقاد کے انکار سے پہنچے ہیں اور یہ لوگ اس مقام تک ہرگز نہ پہنچتے اگر ان لوگوں نے یہ باطل قول نہ کہا ہوتا اور اس عظیم باطل کا لازم آنا، اس خیال کے بطلان پر حکم لگانے کے لیے ہی کافی ہے۔ اوپر بیان کی گئی وجوہات نیز یہ آخری وجہ بھی جس کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو اس باطل قول سے متعلق آخری مقصد کا بیان ہے اس پر مستزاد ہیں، یہ باطل قول سلف سے خلف تک منقول و متوارث اور اسلامی عقائد کی بربادی یا کم از کم ان کے متعلق تشکیک کا سبب ہے۔

بیسویں وجہ

⑳.....عیسیٰ علیہ السلام سے ایک حکمت روایت کی جاتی ہے جو جھوٹے مدعیان نبوت اور دجالوں کے سلسلے میں ہے کہ "من ثمارهم تعرفونهم" "ان کے اقوال واعمال سے تم انہیں پہچان لو گے۔ لہٰذا مسلمانوں میں سے جو شخص اس باطل قول کا نتیجہ دیکھنا چاہے کہ عقیدہ حدیث آحاد سے ثابت نہیں ہوتا تو اسے ان اسلامی عقائد پر غور کرنا چاہیے جن کو ہم ذیل میں بیان

---

❶ دیکھو، کتاب فصول الاسلامیه، ۱۵۳۔

❷ الاسلام عقیدة و شریعة، ص۲۴، شیخ محمد شلتوت۔

کر رہے ہیں اور جن کو خلف نے سلف سے پایا ہے اور ان کے متعلق شہادت دینے والی کثیر و بیشمار روایات آئی ہیں تو اس وقت اس قول کی زبردست خطرنا کی واضح ہو جائے گی جسے یہ مخالفین ثابت کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان جن صحیح عقائد پر ہیں ان کے انکار سے انہیں کتنی زبردست گمراہی میں ڈال رہے ہیں، وہ اسلامی عقائد یہ ہیں۔

① آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔

② جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام پر ہمارے نبی محمد ﷺ کی فضیلت۔

③ محشر میں آپ ﷺ کی شفاعت کبریٰ۔

④ آپ ﷺ کی شفاعت اپنی امت کے مرتکبین کبائر کے لیے۔

⑤ قرآن کریم کے سوا آپ ﷺ کے معجزات جن میں معجزۂ شق القمر بھی ہے، قرآن میں اس کے ذکر کے باوجود انہوں نے اس کی ایسی تاویل کی ہے جو ان صحیح احادیث کے خلاف ہے، جن میں بحیثیت رسول (ﷺ) کے معجزہ سے چاند کے پھٹنے کی تصریح ہے۔

⑥ آپ ﷺ کی جسمانی صفات اور کچھ اخلاقی شمائل۔

⑦ وہ احادیث جن میں خلق کی ابتداء ملائکہ اور جن، جنت اور دوزخ کی صفت مذکور ہے کہ یہ دونوں مخلوق ہیں اور یہ کہ حجر اسود جنت سے آیا ہے۔ ❶

⑧ رسول اللہ ﷺ کی وہ خصوصیات جنہیں امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ میں جمع کیا ہے، جیسے جنت میں داخل ہونا، جنتیوں کو دیکھنا، نیز ان نعمتوں کو دیکھنا جنہیں متقیوں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور ایک جن ساتھی کا اسلام وغیرہ۔

⑨ یہ یقین کہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اہل جنت میں سے ہیں۔

⑩ قبر میں منکر نکیر کے سوال پر ایمان۔

---

❶ شیخ محمد شلتوت نے ص ۱۱۳ میں تصریح کی ہے کہ وہ مکہ کے پتھروں میں سے ایک طبعی پتھر ہے جس طرح انہوں نے ص ۲۴، ۲۵ میں اشارہ کیا ہے کہ وہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ ملائکہ نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

⑪ عذاب قبر پر ایمان۔

⑫ قبر کے بھینچنے پر ایمان۔

⑬ قیامت میں نصب دو پلڑے والی میزان پر ایمان۔

⑭ صراط پر ایمان۔

⑮ آپ کے حوض کوثر پر ایمان اور اس پر ایمان کہ جو شخص اس سے ایک بار سیراب ہو جائے گا، تو وہ دوبارہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

⑯ آپ ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار اشخاص کا جنت میں بغیر حساب کے داخل ہونا۔

⑰ محشر میں انبیاء کرام علیہم السلام سے تبلیغ کے متعلق سوال۔

⑱ قیامت اور حشر و نشر کی جو صفت صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے، ان سب پر ایمان۔

⑲ قضاء و قدر اور اس کے خیر و شر پر ایمان اور اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی سعادت و شقاوت اور اس کا رزق اور موت لکھ دی ہے۔

⑳ اس قلم پر ایمان جس نے ہر چیز لکھی ہے۔

(۲۱) اس بات پر ایمان کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، حقیقتاً نہ کہ مجازاً۔

(۲۲) بطور حقیقت عرش اور کرسی پر ایمان نہ کہ مجازاً۔ [1]

(۲۳) اس بات پر ایمان کہ اہل کبائر جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

(۲۴) اس بات پر ایمان کہ شہداء کی روحیں جنت میں سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گی۔

(۲۵) اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم کو کھائے۔

(۲۶) اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سرگرم سفر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔

---

[1] ان میں سے ایک شخص نے الفصول ص ۱۵۲ میں تصریح کی ہے کہ کرسی پر ایمان مجازاً ہے اور اس پر ایمان کا انکار حقیقتہً ہے اور اسی پر ایمان کی دعوت دی ہے۔

(۲۷) تمام علامات قیامت پر ایمان لانا، جیسے مہدی کا خروج، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، دجال کا خروج اور اپنے مقام سے دابۃ الارض کا نکلنا وغیرہ، جن کے متعلق صحیح احادیث وارد ہیں۔

(۲۸) اس بات پر ایمان کہ مسلمان تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے، ایک کے علاوہ سب جہنم میں جائیںگے اور وہ وہی گروہ ہے جو ان تمام باتوں کو مانتا ہے جن کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مانتے تھے، خواہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عبادت وہدایت سے۔

(۲۹) اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام اسماء حسنیٰ اور اس کی صفات علیا پر ایمان جو سنت صحیحہ میں وارد ہیں جیسے علی، قدیر اور فوقیت اور نزول وغیرہ صفات۔

(۳۰) اس بات پر ایمان کہ بلند آسمانوں کی طرف آپ کی معراج اور رب تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا دیکھنا۔

یہ وہ صحیح اسلامی عقائد ہیں جو ثابت، متواتر یا مستفیض احادیث میں وارد ہیں اور جنہیں امت نے قبول کیا ہے، جن کی تعداد سینکڑوں میں ہے، میں نہیں خیال کرتا کہ کوئی مسلمان ان کے انکار کی جرأت کرے گا یا ان میں شکوک وشبہات پیدا کرے گا، گو یہ بات ان لوگوں پر لازم آتی ہے جو حدیثِ آحاد سے عقیدہ کو ثابت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين۔

۳

تیسرا رسالہ

عقائد واحکام کے لیے

حدیث

ایک مستقل

حجت

پہلی فصل

حدیث کی طرف مراجعت کا وجوب اور اس کی مخالفت کی حرمت

معزز بھائیو! صدر اول کے تمام مسلمانوں کا یہ متفق علیہ مسئلہ رہا ہے کہ حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر شعبہ حیات میں شریعت اسلامی کا دوسرا اور آخری مرجع ہے۔ چاہے یہ شعبہ ان دیکھی اعتقادی چیزوں سے متعلق ہو، یا عملی، سیاسی اور تربیتی احکام سے اور کسی بھی چیز میں قیاس، اجتہاد یا رائے سے اس کی مخالفت جائز نہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے "الرسالة" کے آخر میں فرمایا ہے کہ "حدیث کی موجودگی میں قیاس جائز نہیں" اسی جیسی بات متاخرین اصولیین کے یہاں مشہور ہے کہ "جب حدیث آجائے تو غور وفکر باطل" اور "جہاں نص ہو وہاں اجتہاد کا کوئی کام نہیں" اس سلسلہ میں ان کی سند قرآن کریم اور سنت مطہرہ ہے۔

قرآن کریم کا حدیث رسول سے فیصلہ کرانے کا حکم

قرآن کریم کے اندر بہت سی آیات ہیں جن کو میں اس مقدمہ میں ذکر کر رہا ہوں (کیونکہ یاددہانی مومنوں کے لیے نفع بخش ہے)

①...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًاؕ (الاحزاب ۳۶)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کسی بات کا فیصلہ کردیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لیے اپنے معاملہ میں کسی طرح کے اختیار استعمال کرنے کا حق باقی نہیں رہ جاتا اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلم کھلا گمراہ ہوا۔

②......الہ العالمین کا ارشاد ہے۔

يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (الحجرات ۱)

ترجمہ: اے مومنو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے خود کو آگے نہ بڑھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

③......اللہ رب العالمین کا فرمان ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○

(آل عمران ۳۲)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) کہہ دیجیے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول (محمد ﷺ) کی اطاعت کرو، پھر اب اگر وہ لوگ پیٹھ پھیریں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند بھی نہیں کرتا۔

④......اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا○ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا○

(النسآء ۷۹۔۸۰)

ترجمہ: ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس کی شہادت ہی کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جنہوں نے پیٹھ پھیری تو ہم نے بھی آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

⑤......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النسآء ۵۹)

ترجمہ: اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اولی الامر (یعنی مسلمانوں کے امور کے نگرانوں کی) پھر اگر کسی چیز کے بارے میں جھگڑ بیٹھو تو اگر اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ، یہی صورت بہتر اور اچھے نتیجے والی ہے۔

⑥......اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (الانفال ۴۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو کہ جس کی وجہ سے تم کم ہمت ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

⑦......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ○ (المائدہ ۹۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور احتیاط کرتے رہو اگر کہیں تم نے پیٹھ پھیر لی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر کھلی ہوئی تبلیغ کی ذمہ داری ہے اور بس۔

⑧......رب کریم کا فرمان ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (النور ۶۳)

ترجمہ: تم اپنے درمیان رسول ﷺ کو ایسے نہ پکارو جیسے تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو چھپ چھپا کر کھسکتے ہیں، تو جو لوگ رسول ﷺ کے مشن کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں

(اس بات سے) ڈرنا چاہیے کہ کوئی مصیبت ان کو آن دبوچے یا درد ناک عذاب ان کو آ لے۔

⑨......اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ٥

(الانفال ۲۴)

ترجمہ: اے مومنو! تم اللہ تعالیٰ کی بات کو اور رسول ﷺ کی بات کو قبول کرو، جب رسول ﷺ تم کو ایسی چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں حیات نو عطا کرنے والی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے پاس ہی پاس ہے اور یہ بھی جان لو کہ تم کو اسی کے پاس اکٹھا کیا جائے گا۔

⑩......اللہ قادر کریم کا ارشاد ہے۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ٥ (النسآء ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامرانی ہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی سرحد سے آگے بڑھے گا (تو) وہ اسے آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

⑪......معبود برحق کا فرمان ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا٥ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ

اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ○

(النسآء ۶۰،۶۱)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو کہتے ہیں کہ وہ اس پر بھی ایمان لے آئے جو آپ پر نازل ہوا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہوا، وہ چاہتے یہ ہیں کہ طاغوت سے فیصلہ کرائیں، حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے، شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیز کی طرف آؤ، تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ ﷺ کے پاس آنے سے ڈھٹائی سے روکتے اور رکتے ہیں۔

⑫...... اللہ علیم وخبیر کا فرمان ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (النور ۵۱،۵۲)

ترجمہ: جب مومنوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان گئے یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اس کا تقویٰ (دل میں) رکھتا ہے تو یہی لوگ کامران ہیں۔

⑬......حاکم کائنات کا فرمان ہے۔

وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (الحشر ۷)

ترجمہ: اور رسول ﷺ تمہیں جو کچھ بھی دیں اسے لے لو اور جس سے روک دیں اس سے ہاتھ کھینچ لو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

⑭...... مالک ارض وسما کا فرمان ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (الاحزاب ۲۱)

ترجمہ: تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے اندر بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے۔

⑮...... اللہ علام الغیوب کا فرمان ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم ۱تا۴)

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ غائب ہو جائے۔ تمہارا ساتھی نہ تو گمراہ ہوا ہے اور نہ ہی غلط راہ پر پڑا ہوا۔ اور وہ خواہش سے بات بھی نہیں کرتا۔ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ صرف وحی کی گئی ہوتی ہے۔

⑯...... رب ذوالجلال والاکرام کا ارشاد ہے۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (النحل:۴۴)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ پر قرآن حکیم اس لیے اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اتاری گئی چیز کی توضیح فرمائیں اور تاکہ وہ لوگ غور فکر کر سکیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ہر چیز میں نبی ﷺ کی اتباع کی دعوت دینے والی احادیث

حدیث کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ ایسا موجود ہے جس سے ضروری قرار پاتا ہے کہ ہم اپنے تمام دینی امور میں نبی ﷺ کی عمومی اتباع کریں۔

چند ثابت شدہ احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

۱...... عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالُوْا مَنْ أَبَى؟ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى ۔ ❶

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر وہ جس نے انکار کیا، لوگوں نے پوچھا کون ہے جو انکار کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اسی نے انکار کیا۔

۲.....عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَتْ مَلَآئِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوْا إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهُ مَثَلًا فَقَالُوْا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَىٰ دَارًا وَجَعَلَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوْا أَوِّلُوْهَا لَهُ يَفْقَهْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ فَقَالُوْا فَالدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِيْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ۔ ❷

ترجمہ: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آئے اور آپ سو رہے تھے، ان میں سے کسی نے کہا آپ سوئے ہوئے ہیں اور کسی نے کہا کہ آنکھ سو رہی ہے، مگر دل بیدار ہے، پھر انہوں نے کہا کہ تمہارے اس ساتھی پر ایک مثال منطبق ہوتی ہے اس کے لیے مثال بیان کرو،

---

❶ (بخاری کتاب الاعتصام رقم الحدیث ۷۲۸۰)

❷ (بخاری رقم الحدیث ۷۲۸۱)

ان لوگوں (فرشتوں) نے کہا کہ آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا، پھر اس میں دستر خوان چن دیا اور ایک بلانے والے کو بھیجا، تو جس نے اس کی دعوت قبول کر لی اور وہ گھر میں آیا اور دستر خوان سے کھایا۔ اور جس نے اس کی دعوت قبول نہ کی تو وہ گھر میں آیا نہ دستر خوان سے کھایا۔ فرشتوں نے کہا کہ اس کی توجیہ کر دو تا کہ وہ اسے سمجھ سکیں، ان میں سے کسی (ایک) نے کہا کہ آنکھ سوتی ہے دل بیدار ہے (یہ تو واضح چیز ہے)، پھر انہوں نے کہا دیکھو! گھر تو جنت ہے اور داعی محمد ﷺ ہیں اور جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ کے ذریعہ مومنوں اور کافروں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔

۳...... عن ابی موسیٰ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما مثلي ومثل ما بعثني الله به کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رایت الجیش بعینی انی انا النذیر العریان، فالنجاء النجا، فاطاعه طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا علی مهلهم فنجوا وکذبت طائفة منهم فاصبحوا مکانهم مصبهم الجیش فاهلکهم واجتاحهم فذلك مثل من اطاعنی فاتبع ماجئت به ومثل من عصانی وکذب بماجئت به من الحق۔ ❶

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میری مثال اور اس چیز کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے، اس شخص جیسی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور اس نے کہا اے میری قوم بیشک میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے اور بلاشبہ میں کھلا ڈرانے والا ہوں بچو، بچو، اس پر اس کی قوم کے ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور راتوں رات چل پڑے اور موقع پا کر نکل گئے، تو اس طرح وہ بچ گئے اور ایک گروہ نے اس کو جھٹلا دیا اور اپنی ہی جگہ

❶ (بخاری ۷۲۸۳ و مسلم ۱٦/ ۲۲۸۳)

ٹھہرے رہے، تو لشکر نے صبح کے اندھیرے میں ہی ان کو آلیا اور انہیں نیست و نابود کردیا۔ یہی ہے مثال اس کی جس نے میری اطاعت کی اور جسے میں لایا ہوں اس کی پیروی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات میں لایا ہوں اس کی تکذیب کی۔

۴.....عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاأُلْفِیَنَّ اَحَدُکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْنَهَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَاہُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِتَّبَعْنَاہُ (وَاِلَّافَلَا) ❶

ترجمہ: سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہو اور اس کے پاس میری ان باتوں میں سے کوئی بات پہنچے جس کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے روکا ہے، تو وہ کہے مجھے نہیں معلوم! ہمیں تو قرآن میں جو ملتا ہے اس کی پیروی کرتے ہیں (ورنہ نہیں)

۵.....عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشك رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لایحل لکم الحمار الاھلی ولاذی ناب من السباع ولا لقطة معاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان بعضھم بمثل قراہ۔ ❷

ترجمہ: سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ

---

❶ احمد، ابوداؤد ۴۶۰۵ السنۃ، ترمذی ۲۶۶۳ تصحیح کے ساتھ، ابن ماجہ ۱۳، طحاوی وغیرہ سند صحیح کے ساتھ۔

❷ (ابوداؤد ۴۶۰۴، ترمذی ۲۶۶۴، حاکم تصحیح کے ساتھ احمد سند صحیح کے ساتھ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار! میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے ساتھ اسی جیسی ایک اور چیز، خبردار! قریب ہے کہ ایک ایسا آسودہ شخص اپنی مسند پر ہوگا جو کہتا ہوگا کہ (لوگو!) اس قرآن کو لازم پکڑو، جو اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو (نبی ﷺ فرماتے ہیں) لوگو! حالانکہ جسے اللہ تعالیٰ کے رسول نے حرام کر دیا وہ ویسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا! خبردار! گھریلو گدھا تمہارے لیے حلال نہیں، نہ جنگلی جانوروں میں سے کوئی درندہ اور نہ کسی بھی معاہدے والے شخص کی کوئی گری پڑی چیز، الا یہ کہ کوئی معمولی سی چیز ہو۔ اور جو کسی قوم کے یہاں اترے (مہمان بنے) تو اس قوم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ضیافت (مہمان نوازی) کریں اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی مہمانی کے مثل ان سے بدلہ لے لے۔

۲......عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا رَمَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ ❶

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، ان دونوں کے بعد (جب تک تم انہیں تھامے رہو گے) کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے (وہ دونوں چیزیں یہ ہیں) اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سنت اور یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گے۔

---

❶ (مالک مرسلا، حاکم، مسند صحیح کے ساتھ) (موطا ۸۹۹۔ حاکم ۱/ ۹۳ ابو نعیم نے اخبار اصبهان ۱/ ۱۰۳ الصحیحه ۱۶۱)

مندرجہ بالا نصوص کا خلاصہ استدلال

ان آیات واحادیث کے اندر کچھ نہایت اہم چیزیں ہیں جن کو مجملاً کچھ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

①......اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور رسول ﷺ کے فیصلے میں کوئی فرق نہیں ہے، ان میں سے کسی کی مخالفت کا اختیار کسی بھی مومن کو نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرح ہے اور یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

②......رسول اللہ ﷺ سے آگے اپنے آپ کو بڑھانا جائز نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو آگے بڑھانا جائز نہیں اور یہ اپنے آپ کو آگے بڑھانا اس بات کا کنایہ ہے کہ آپ کی سنت کی مخالفت جائز نہیں ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین (۱/۵۸) میں فرماتے ہیں ''یعنی تم لوگ (اس وقت تک) نہ کہو حتیٰ کہ آپ ﷺ کہہ دیں، تم حکم نہ دو حتیٰ کہ آپ ﷺ حکم دے دیں، تم فتویٰ نہ دو حتیٰ کہ آپ ﷺ فتویٰ دے دیں اور تم (اس وقت تک) کسی چیز کے بارے میں قطعی فیصلہ نہ کرو حتیٰ کہ آپ ﷺ ہی اس کام کا فیصلہ کریں اور اسے نافذ کریں۔

③......رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے پیٹھ پھیرنا کافروں کا شیوہ ہے۔

④......رسول اللہ ﷺ کا فرمانبردار اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے۔

⑤......دین کے کسی بھی معاملہ میں اختلاف اور نزاع کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف مراجعت کرنا اور لوٹنا ضروری ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین (۱/۵۴) میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور فعل کو لوٹایا (یعنی اطیعوا الرسول کہا) تو یہ بتانے کے لیے کہ رسول ﷺ کی اطاعت مستقلاً واجب ہے اور آپ ﷺ کے حکم کو قرآن کریم پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جب آپ حکم دیں تو اس کی اطاعت مطلقا واجب ہے خواہ قرآن کریم میں اس کا حکم موجود ہو یا نہ ہو، کیونکہ آپ کو کتاب اللہ اور اس کے ساتھ ہی اس جیسی ایک اور

چیز (جسے حدیث کہا جاتا ہے) دی گئی ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اولی الامر (مسلمانوں کے معاملات کے نگرانوں) کی اطاعت کو مستقلاً تسلیم کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فعل کو حذف کر دیا اور اولی الامر کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ضمن میں رکھا۔

علماء کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، اس کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا ان کی زندگی میں تو انہیں کی طرف رجوع کرنا ہے اور ان کی وفات کے بعد ان کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ بھی متفق علیہ بات ہے کہ ایسا کرنا ایمان کی شرائط میں سے ایک ہے۔

⑥...... باہمی اختلاف سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سنت کی طرف مراجعت کو ترک کر کے جھگڑے اور اختلاف ہی پر خوش رہنا، شریعت کی نظر میں مسلمانوں کی تمام کوششوں میں ناکامی اور قوت وطاقت اور شان وشوکت کے ختم ہو جانے کا ایک اہم سبب ہے۔

⑦...... رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے بچنا چاہیے کیونکہ اس مخالفت کا برا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں ہے۔

⑧...... رسول اللہ ﷺ کے مشن اور حکم کی مخالفت کرنے والے دنیا میں مصیبت اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

⑨...... رسول اللہ ﷺ کے حکم اور آپ کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے اور یہ خوشگوار زندگی اور دنیا و آخرت کی سعادت کا سبب ہے۔

⑩...... نبی ﷺ کی اطاعت دخولِ جنت اور عظیم کامرانی کا سبب ہے اور آپ کی نافرمانی اور آپ کے متعین کردہ حدود سے تجاوز، جہنم اور رسوا کن عذاب میں دخول کا موجب ہے۔

⑪...... جو منافقین، اسلام کو ظاہر کرتے اور کفر کو چھپائے رکھتے ہیں، ان کی خاصیت یہ ہے کہ جب انہیں رسول اور رسول کی سنت سے فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اسے قبول نہیں کرتے، بلکہ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں۔

⑫...... مومنین منافقین کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ جب مؤمنین کو رسول سے فیصلہ کرانے

کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو وہ فوراً اسے قبول کر لیتے ہیں اور بزبان حال و قال کہتے ہیں کہ ''ہم نے سنا اور مان لیا'' اسی کے ذریعہ وہ ''جنات نعیم'' کو پا کر کامران اور کامیاب ہوں گے۔

⑬......رسول اللہ ﷺ جس چیز کا بھی حکم دیں تو اس کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح ہم پر یہ ضروری ہے کہ جس چیز سے آپ ہمیں روکیں تو ہم اس سے رک جائیں۔

⑭...... نبی ﷺ دین کے ہر معاملہ میں ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں، اگر ہم مسلمان ہیں۔

⑮......جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے، اگر چہ اس کا تعلق دین سے اور ایسے غیبی امور سے ہو جسے عقل سے سمجھا جا سکتا ہو اور نہ ہی تجربہ سے کیونکہ نبی ﷺ کے پاس سے باطل کا گذر نہیں ہو سکتا، نہ آگے سے اور نہ ہی پیچھے سے۔

⑯...... نبی ﷺ پر جو قرآن حکیم نازل ہوا اور آپ کی سنت اس کی شرح ہے۔

⑰......قرآن کریم، سنت سے بے نیاز نہیں کرتا، بلکہ سنت کی اطاعت اور پیروی قرآن کریم ہی کی طرح لازم اور ضروری ہے اور جو شخص قرآن کریم کو لے کر سنت سے خود کو بے نیاز کر لے تو وہ رسول علیہ السلام کا مخالف اور آپ کا نافرمان ہے، اور اس طرح وہ مندرجہ بالا آیات کا بھی مخالف ہے۔

⑱......رسول اللہ ﷺ نے جسے حرام کر دیا وہ ٹھیک اسی طرح حرام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جسے رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا ہے اور وہ قرآن حکیم میں نہیں ہے تو اس کی ٹھیک وہی حیثیت ہے جو قرآن حکیم کے اندر وارد حکم کی ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ''اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ '' (خبردار مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اور اسی جیسی دوسری چیز بھی) عمومی حیثیت رکھتا ہے۔

⑲......گمراہی اور ضلالت سے بچنا صرف قرآن و حدیث سے تمسک ہی پر منحصر ہے اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے، اس لیے اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت کے درمیان تفریق قطعاً جائز نہیں ہے۔

عقائد اور احکام میں سنت کی اتباع ہر دور میں لازم ہے

محترم بھائیو! کتاب و سنت کی مندرجہ بالا نصوص جہاں قطعیت کے ساتھ اس بات کو بتاتی ہیں کہ سنت کی پیروی ہر اس چیز میں مطلقاً واجب ہے جسے نبی ﷺ لائے ہیں اور یہ کہ اگر کوئی سنت سے فیصلہ کرانے اور اس کے تابع ہونے پر راضی نہ ہو تو وہ مومن ہی نہیں ہے، تو وہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس بات پر مبذول کراؤں کہ یہ نصوص اپنی عمومیت اور اطلاق کی وجہ سے دوسری دو اہم چیزوں کا بھی حکم دیتی۔

①...... ان نصوص کا حکم ان تمام لوگوں کو شامل ہے جن کو یہ دعوت قیامت تک پہنچے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے صاف ظاہر ہے۔

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ۔ (الانعام۔ ١٩)

ترجمہ: تا کہ میں تم کو اس کے ذریعہ ڈراؤں اور ان کو بھی جنہیں یہ بات پہنچے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ایک اور قول:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا۔ (سبا۔٢٨)

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر، احادیث میں اس طرح کی ہے۔

وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً۔ ❶

ترجمہ: پہلے ''نبی'' خاص اپنی قوم کے پاس بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِيْ رَجُلٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ لَمْ يُؤْمِنْ بِيْ اِلَّا كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ ۔ ❷

---

❶ (بخاری ٤٣٨ ومسلم ٣/ ٥٢١)

❷ (مسلم ١٥٣، ابن منده وغیره الصحیحه ۔١٥٧)

اللہ کی قسم کوئی یہودی یا نصرانی یا اس امت کا کوئی اور آدمی اگر میرے بارے میں سنے گا اور مجھ پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ جہنمی ہوگا۔

② ......ان نصوص کا حکم دین کے تمام امور کو شامل ہے، خواہ وہ چیز علمی عقیدہ ہو یا عملی حکم یا اس کے سوا کوئی اور چیز، چنانچہ جب ہر صحابی پر یہ چیز واجب تھی کہ وہ ہر اس چیز پر ایمان لائے جو اس کو نبی ﷺ سے یا کسی دوسرے صحابی کے واسطہ سے پہنچے، تو ٹھیک اسی طرح سے تابعی پر بھی ایمان لانا واجب تھا جسے کوئی چیز صحابی کے واسطہ سے معلوم ہو۔ جب کہ صحابی کے لیے یہ چیز جائز نہیں تھی کہ وہ نبی ﷺ کی حدیث کو جو عقیدہ کے سلسلے کی ہے، محض اس دلیل کی بنیاد پر رد کر دے کہ وہ خبرِ واحد ہے اور اسے اس جیسے ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو صحابی کے بعد آنے والوں کے لیے بھی اس دلیل سے حدیث کا رد کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک یہ معلوم رہے کہ اس حدیث کا بیان کرنے والا ثقہ ہے، ٹھیک اسی طرح یہ چیز قیامت تک کے لیے مستمر ہونی چاہیے، ویسے یہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانے میں اسی طرح تھی بھی، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ سے اس سلسلے کی تصریح آگے آرہی ہے۔

متأخرین کا سنت کو حَکَم (فیصل) بنانے کے بجائے خود اس پر حاکم بن جانا

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے بعد کچھ ایسے نا اہل آئے جو سنت نبویہ کو چند ایسے اصول وقواعد کی بنیاد پر چھوڑ بیٹھے جنہیں بعض متکلمین، اصولیین اور فقہائے مقلدین نے وضع کیا تھا، جس کا نتیجہ الغاء سنت اور اہمال حدیث کی شکل میں ظاہر ہوا، اس طرح احادیث کے ایک بڑے ذخیرہ میں شک وشبہ پیدا ہو گیا اور اس کا ایک خاصہ حصہ ان اصولوں کے خلاف ہونے کے ناطے متروک قرار پا گیا۔ اب ان لوگوں کے نزدیک آیت کا مفہوم ہی الٹا ہو گیا، بجائے اس کے کہ وہ قواعد کے سلسلے میں سنت کی طرف رجوع کرتے اور اسے حکم مانتے انہوں نے معاملہ ہی الٹ دیا اور سنت کو اپنے قواعد واصول پر پیش کیا۔ روایت ان کے اصولوں پر پوری اتری تو اسے قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا۔

یہی سبب ہے کہ مسلمانوں اور نبی ﷺ کے درمیان کامل رابطہ منقطع ہو گیا، خصوصاً

متأخرین کے عہد میں (تو تعلق اور بھی کٹ گیا) اس طرح لوگ نبی ﷺ کے عقیدہ، سیرت، عبادت، صیام، قیام، حج، احکام اور فتاویٰ سے لاعلم ہو گئے۔ اب ان چیزوں میں سے کسی کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو اس کا جواب یا تو ضعیف حدیث سے دیتے ہیں یا ایسی حدیث سے جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی یا کسی خاص مذہب کو جواب میں پیش کرتے ہیں، اگر اس بات پر اتفاق ہو کہ وہ صحیح حدیث کے خلاف ہے اور انہیں توجہ دلائی جاتی ہے تو توجہ نہیں دیتے ہیں اور کچھ ایسے شکوک وشبہات کی بنیاد پر صحیح حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے جن کے ذکر کی یہ جگہ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کی وجہ وہی اصول وقواعد ہیں جن کی طرف اشارہ گزر چکا اور ان میں سے کچھ کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

یہ وباء اس قدر عام ہو گئی ہے کہ تمام اسلامی ممالک، علمی رسائل ومجلات، اور تمام دینی کتب کو اس نے اپنی زد میں لے لیا ہے اور شاذ ونادر ہی کوئی چیز محفوظ ہو گی۔ کتاب وسنت کے مطابق فتویٰ دینے والا آپ معدودے چند افراد کو پائیں گے جو یک وتنہا ہوں گے۔ جمہور مفتی، مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کے اوپر اعتماد کرتے ہیں اور اگر اپنی خودساختہ کوئی مصلحت پیش آ گئی تو دوسرے مذہب کو بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ حدیث تو ان کے یہاں قطعاً نسیاً منسیا ہو گئی ہے، الا یہ کہ اس پر عمل کرنے کی کوئی مصلحت آ پڑے جیسا کہ بعض لوگوں نے طلاق کے سلسلہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تین کے لفظ کے ساتھ وارد، روایت پر کیا جس میں ہے کہ وہ (تین طلاق) نبی ﷺ کے زمانے میں ایک تھی۔ ان لوگوں نے اب اسے ایک مذہب کا مقام دے دیا ہے، جبکہ وہ اس اصول کے گھڑنے سے پہلے اس حدیث پر نکتہ چینی کرتے تھے اور اس کی طرف بلانے والوں سے لڑائیاں کرتے تھے۔

متأخرین کے یہاں حدیث کی اجنبیت

اس زمانے میں حدیث کی اجنبیت وغربت اور اہل علم اور اہل فتاویٰ کی جہالت پر ایک دلیل وہ جواب ہے جسے ایک معروف اسلامی مجلّہ نے اس سوال پر دیا ہے کہ کیا حیوانات کو دوبارہ اٹھایا جائے گا؟ جواب کے الفاظ یہ ہیں۔ ''امام آلوسی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ'' اس (یعنی

قیامت کے) روز حیوانات کے اٹھائے جانے کے بارے میں قرآن کی کوئی ایسی تصریح ہے، نہ قابل اعتماد حدیث جو ثقلین (انسان و جنات) کے سوا چڑیوں اور حیوانات کے اکٹھا کیے جانے پر دلالت کرتی ہو۔'' یہی وہ دلیل ہے جس کا سہارا جواب دینے والے نے لیا ہے اور یہ نہایت عجیب چیز ہے، اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اہل علم نے، علم حدیث کو کس قدر متروک قرار دے دیا ہے، غیر اہل علم کو تو چھوڑیئے (حقیقت یہ ہے) کہ اس سلسلہ میں ایک سے زائد احادیث ثابت ہیں جن میں تصریح موجود ہے کہ حیوانات کو اٹھایا جائے گا اور ایک کو دوسرے کا قصاص دلایا جائے گا، اسی سے متعلق صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے۔

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلٰى أَهْلِهَا حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ۔ ❶

ترجمہ: البتہ ضرور ضرور حق والوں کو حق دلایا جائے گا یہاں تک کی بے سینگ کی بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلایا جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ثابت ہے کہ کافر جب اس قصاص کو دیکھے گا تو کہے گا، يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا ۝ (النباء ۴۰) اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

متأخرین کے وہ اصول جن کی وجہ سے احادیث متروک ہوئیں

وہ کون سے اصول و قواعد ہیں جن کو متأخرین نے بنایا اور جن کی وجہ سے لوگ احادیث کے پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے کو ترک کر بیٹھے، اس کے جواب میں، میں کہتا ہوں کہ ان اصولوں کا حصر مندرجہ ذیل چیزوں میں ممکن ہے۔

① ...... بعض متکلمین کا یہ قول کہ حدیثِ آحاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا، آج کے بعض مبلغینِ اسلام نے تو اس کی تصریح کی ہے کہ آحاد کو عقیدہ کی بنیاد بنانا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

② ...... بعض وہ قواعد جنہیں کچھ مروجہ مسالک نے اپنے اصول کے اندر گھڑ کے رکھ لیا ہے۔ میرے سامنے اس وقت یہ چند چیزیں ہیں۔

---

❶ (مسلم ۶۰/ ۲۵۸۲)

(الف) قیاس کو خبرِ واحد پر مقدم کرنا۔ [1]

(ب) اگر خبرِ واحد اصول کے مخالف ہو تو اسے رد کر دینا۔ [2]

(ج) اس حدیث کا رد کر دینا جس میں نص قرآنی سے زائد کوئی حکم آیا ہو، کیونکہ اس طرح حدیث قرآن کی ناسخ بن جائے گی، حالانکہ سنت قرآن کی ناسخ نہیں۔ [3]

(د) تعارض کے وقت، عام کو خاص پر مقدم کر دینا یا خبرِ واحد کے ذریعہ عمومِ قرآنی کی تخصیص کا جائز نہ ہونا۔ [4]

(لا) اہل مدینہ کے عمل کو صحیح حدیث پر مقدم کر دینا۔

③...... تقلید کرنا اور اسی کو مذہب اور دین بنا لینا۔

---

❶ (الاعلام ١ / ٣٢٧، ٣٠٠ شرح المنار) (ص ٦٢٣) -

❷ (الاعلام ١ / ٣٢٩) (شرح المنار ٢٤٦)

❸ (شرح المنار ٦٤٧۔ الاحکام ٢ / ٦١١)

❹ (شرح المنار ص ٢٨٩۔ ٢٩٤۔ ارشاد الفحول ١٣٨۔١٣٩۔١٤٣۔ ١٤٤)

دوسری فصل

حدیث پر قیاس وغیرہ کی تقدیم کا بطلان

صحیح حدیث کا قیاس یا اس کے علاوہ اوپر ذکر کیے گئے قواعد میں سے کسی کے ذریعہ رد کرنا، اسی طرح اہل مدینہ کی مخالفت کی وجہ سے صحیح حدیث کا رد کر دینا، ان آیات اور احادیث کی صریحاً مخالفت ہے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور جن کا فیصلہ یہ ہے کہ اختلاف اور نزاع کے وقت قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور جو قواعد ہم ذکر کر آئے ہیں ان جیسے قواعد سے حدیث کا رد کرنا اہل علم کا متفق علیہ اصول نہیں ہے، جمہور علما ان اصولوں کی مخالفت کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کی اتباع کرتے ہوئے صحیح احادیث کو ان اصولوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حدیث پر عمل کرنا واجب ہے، گو حدیث کے خلاف لوگوں کے اتفاق کا گمان ہو یا یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کسی نے اس حدیث پر عمل بھی کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ "الرسالہ ص ۴۶۴، ۴۲۴، ۱۶۶" میں فرماتے ہیں کہ "حدیث جس وقت بھی ثابت ہو اسی وقت اس کو قبول کرنا واجب ہے گو اس کے مطابق کسی امام کا عمل نہ ہوا ہو"۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین (۱/ ۳۲، ۳۳، ۳۴) میں کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ صحیح حدیث پر کسی عمل، رائے، قیاس اور کسی کے قول کو مقدم نہیں کرتے تھے اور نہ مخالف حدیث کے عدم علم کو ہی مقدم کرتے تھے، جیسے بہت سے لوگ اجماع کا نام دیتے ہیں اور اسے صحیح حدیث پر مقدم کر دیتے ہیں، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے ان لوگوں کی تکذیب کی ہے اور جنہوں نے اس طرح کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے انہوں نے ثابت شدہ حدیث پر ایسے اجماع کو مقدم کرنا جائز نہیں قرار دیا۔

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی رسالہ جدیدہ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ جس چیز کے بارے میں کوئی مخالف دلیل معلوم نہ ہو اس کو اجماع نہیں کہتے۔

امام احمد اور دوسرے ائمہ محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی صریح احادیث اس

سے کہیں برتر ہیں کہ ان پر یہ لوگ وہمی اجماع کو مقدم کردیں، جس اجماع کی کل پونجی یہ ہوتی ہے کہ مخالف معلوم نہیں ہے، اگر ایسا کرنا جائز ہوجاتا تو تمام نصوص بیکار ہوجاتیں اور ہر اس شخص کے لیے جو کسی مسئلہ کے اندر کوئی مخالف رائے بھی نہیں جانتا، یہ جائز ہوجاتا کہ وہ اپنی اس جہالت ہی کو نصوص پر مقدم کردے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ

''سلف صالحین اس شخص پر سخت نکیر کرتے اور غصہ ہوتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابل میں رائے، قیاس، استحسان یا کسی کا قول لائے، وہ شخص خواہ کوئی بھی ہوا ایسا کرنے والے کو برا بھلا کہتے تھے اور اس شخص پر نکیر کرتے تھے جو اس کے لیے ادھر ادھر کی مثالیں پیش کرے اور انقیاد و تسلیم اور سمع و طاعت کے ذریعہ قبول کرنے کے علاوہ کسی اور چیز کو جائز نہیں قرار دیتے تھے، حدیث کو قبول کرنے میں توقف کرنے کا وہم و خیال بھی ان کے دلوں پر نہیں گزرتا تھا کہ وہ اس حدیث کے لیے کسی کے عمل یا قیاس کو بطور شاہد پیش کرتے یا زید و بکر کے قول کی موافقت دکھاتے، وہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل کرنے والے تھے۔ ❶

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (الاحزاب۔۳۶)

ترجمہ: جب اللہ اور اس کے رسول نے کسی چیز کا فیصلہ کردیا، تو کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لیے اپنے معاملہ میں کسی طرح کے اختیار استعمال کرنے کا حق باقی نہیں رہ جاتا۔

اس سلسلہ کی بہت سی مثالیں گذر چکی ہیں، اب ہم ایسے زمانے میں آگئے ہیں کہ جب کسی سے کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے ایسا اور ایسا فرمایا ہے، تو وہ کہتا ہے یہ کس کا قول ہے؟ وہ اس کے کسی کے نہ جاننے کو اپنی مخالفتِ حدیث اور ترک عمل بالحدیث کی سند

---

❶ (اعلام الموقعین، ۳/۴۶۴۔۴۶۵)

لاتا اور حجت بناتا ہے، اگر وہ خود مخلص ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کی یہ بات حد درجہ باطل اور لغو ہے اور اس کے لیے اپنی اس جیسی جہالت کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو رد کر دینا جائز نہیں اور اس کی لاعلمی کا عذر تو اور بھی زیادہ قبیح ہے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ اس سنت کے خلاف اجماع ہو چکا ہے جو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بدگمانی ہے۔ اس لیے کہ وہ ان کی طرف منسوب کر رہا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت پر اتفاق کر لیا ہے۔ دعوٰی اجماع کا عذر تو اور بھی زیادہ قبیح ہے کیونکہ یہ تو حدیث کے مطابق جن بزرگوں کا قول ہے ان کے بارے میں اس کی جہالت اور لاعلمی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حدیث پر اپنی جہالت کو مقدم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مددگار رہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تو اس شخص کی بات ہے جو حدیث کی مخالفت اس خیال سے کر رہا ہے کہ علماء اس کے خلاف پر متفق ہیں اور اس شخص کو کیا کہا جائے جو یہ جانتا ہو کہ بہت سے علما کا قول اس کے مطابق ہے اور جن جن لوگوں نے اس حدیث کی مخالفت کی ہے ان کے پاس مذکورہ بالا اصول وقواعد یا تقلید (جس کا ذکر فصل رابع میں آرہا ہے) کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔

حدیث پر اصول اور قیاس کو مقدم کرنے کی غلطی کا سبب

میری نظر میں، حدیث پر مذکورہ بالا قواعد کو مقدم کرنے کی غلطی کی بنیاد ایک طرف تو حدیث کے بارے میں ان کا یہ نظریہ ہے کہ اس کا درجہ اس درجہ سے نیچے ہے جس کے اندر اسے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور دوسری طرف اس کے ثبوت کے سلسلہ میں ان کا شبہ ہے، ورنہ حدیث پر قیاس کو مقدم کرنا ان کے لیے یہ جانتے ہوئے کیونکر جائز ہوتا کہ قیاس، رائے اور اجتہاد کی بنیاد پر قائم ہے اور یہ جیسا کہ معلوم ہے معرض خطا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے بوقت ضرورت ہی کام لیا جاتا ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول میں گزر چکا ہے کہ حدیث کی موجودگی میں قیاس کرنا جائز نہیں ہے اور یہ جاننے کے باوجود کہ انہیں بوقت نزاع حدیث ہی کو حکم بنانے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ گذر چکا، ان کے لیے کسی شہر کے باشندوں کے عمل کو حدیث پر مقدم کرنا کیسے جائز ہوتا؟ امام سبکی رحمہ اللہ نے ایسے معین مذہب اختیار کرنے والے کے بارے میں کیا

خوب کہا ہے جو حدیث پا کر اسے اپنا مذہب نہ بناتا ہو اور نہ اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور کو اس کا قائل ہی پاتا ہو، وہ فرماتے ہیں کہ "حدیث کی اتباع میرے نزدیک اولیٰ اور افضل ہے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو نبی ﷺ کے سامنے کھڑا (ہوا) فرض کر لے اور اسی حالت میں اس نے یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہو، کیا اس صورت میں وہ تھوڑی سی دیر کے لیے بھی اس حدیث پر عمل کو مؤخر کر سکتا ہے؟ نہیں اللہ کی قسم نہیں! بہر حال ہر آدمی اپنی سمجھ کے بقدر مکلف ہے"●

میں کہتا ہوں اس سے میری مذکورہ بالا بات کی تائید ہوتی ہے کہ حدیث میں شبہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جس کی وجہ سے ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی، ورنہ اگر وہ لوگ یہ جانتے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تو وہ ان قواعد اور اصولوں کے ساتھ زبان نہ کھولتے، چہ جائیکہ ان اصولوں کو وضع کرتے اور ان کی بنیاد پر سینکڑوں ثابت شدہ احادیث کی مخالفت کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس رائے، قیاس اور ایک ایسی جماعت کے عمل کی پیروی کے سوا کوئی سند بھی موجود نہیں جس کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ عمل صحیح تو وہ ہے جو سنت کے موافق ہو اس پر زیادتی دین کے اندر زیادتی ہے اور اس میں کمی دین کے اندر کمی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے مذکورہ زیادتی اور کمی کی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ

"پہلا قیاس ہے اور دوسرا باطل تخصیص، اور یہ دونوں چیزیں دین سے نہیں ہیں۔ جو شخص نصوص سے واقفیت نہیں رکھتا وہ کبھی نص کے اندر ایسی چیز بڑھا دیتا ہے جو اس میں نہیں ہے اور کہتا ہے کہ یہ قیاس ہے، کبھی اس چیز کو کم کر دیتا ہے جس کا تقاضا نص کرتی ہے اور اسے نص کے حکم سے خارج کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تخصیص ہے اور کبھی نص کو بالکلیہ چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر عمل نہیں، یا کہتا ہے کہ یہ خلاف قیاس ہے یا خلاف اصول ہے۔"

● (رسالہ معنی قول الامام المطلبی: اذا صح الحدیث فهو مذهبی ص ۱۰۲ ج ۳۔ مجموعة الرسائل المنيرية)

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ قیاس کے اندر آدمی جتنا ہی غلو کرتا ہے اس کی سنت کی مخالفت اتنی ہی شدید ہو جاتی ہے اور ہم احادیث اور سنن کی مخالفت صرف اصحاب رائے اور ارباب قیاس ہی کے یہاں دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ، کتنی ہی صحیح اور صریح احادیث اسی وجہ سے متروک ہو گئیں اور کتنے ہی آثار ہیں، جن کا حکم اسی سبب سے ختم ہو گیا، اہل رائے اور اہل قیاس کے ہاں احادیث اور سنن اپنی چھتوں کے بل الٹی پڑی ہیں، ان کے احکام متروک ہیں، ان کی حکمرانی اور ولایت معزول ہے نام ان کا ہے اور حکم غیروں کا چلتا ہے، سکہ اور خطبہ ان کا چلتا ہے اور امر و نہی غیروں کی چلتی ہے اگر ایسا نہیں ہے تو وہ متروک کیونکر ہوئیں۔'' (۲۹۹/۱)

احادیث صحیحہ کی چند مثالیں جن کی مخالفت مذکورہ بالا اصولوں کی بنیاد پر کی گئی ہے۔

① ...... ابتداءً باری تقسیم کرنے کی حدیث، اور یہ کہ بیوی اگر باکرہ ہو تو اسے سات رات کا اور اگر ثیبہ ہو تو تین رات کا حق عقد ہوتا ہے، اس کے بعد تمام بیویوں کے لیے برابر، برابر باری متعین کر دی جائے گی۔

② ...... غیر شادی شدہ زانی کی جلاوطنی والی حدیث۔

③ ...... حج میں شرط لگانے اور شرط لگا کر حلال ہو جانے کے جواز والی حدیث۔

④ ...... جوربین پر مسح والی حدیث۔

⑤ ...... سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہما کی اس سلسلہ کی حدیث کہ ''بھول جانے والے اور نہ جاننے والے کا بول دینا نماز کو باطل نہیں کرتا''۔

⑥ ...... اس شخص کے نماز مکمل کرنے کی حدیث جس نے نماز فجر کی ایک رکعت ادا کی اور سورج نکل آیا۔

⑦ ...... بھول کر کھا پی لینے والے کے لیے روزہ پورا کرنے والی حدیث۔

⑧ ...... میت کی طرف سے روزہ رکھنے والی حدیث۔

⑨ ...... ایسے مریض کی طرف سے حج کرنے کی حدیث جو شفا پانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

(۱۰)......شاہد مع الیمین کے ساتھ فیصلہ کرنے والی حدیث۔

(۱۱)......ربع دینار میں چور کا ہاتھ کاٹنے والی حدیث۔

(۱۲)......اس شخص کے مال ضبط کر لینے اور گردن مار دینے والی حدیث جس نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لی ہے۔

(۱۳)......مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیے جانے والی حدیث۔

(۱۴)......مُحَلِّلْ (حلالہ کرنے والا) اور مُحَلَّلٌ لَہٗ (جس کے لیے حلالہ کرایا جائے) پر لعنت الٰہی والی حدیث۔

(۱۵)......بغیر ولی، نکاح کے عدم جواز والی حدیث۔

(۱۶)......تین طلاق دی گئی عورت کو سکنی (گھر) اور نفقہ (خرچ) نہ دینے والی حدیث۔

(۱۷)......بیوی کو مہر دینے کی حدیث، چاہے لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو۔

(۱۸)......گھوڑے کے گوشت کی حلت والی حدیث۔

(۱۹)......ہر مسکر (نشہ پیدا کرنے والی چیز جس سے عقل میں فتور آجائے) کی حرمت والی حدیث۔

(۲۰)......پانچ وسق (لگ بھگ سوا بیس من کچے سیر)، سے کم میں زکوٰۃ فرض نہ ہونے والی حدیث۔

(۲۱)......مزارعہ اور مساقاۃ (بٹائی پر کھیت دینے اور بٹائی پر باغ دینے) والی حدیث۔

(۲۲)......یہ حدیث کہ جنین کا ذبح ماں کا ذبح ہے۔

(۲۳)......رہن (کے جانور) پر سواری کرنے اور اس کا دودھ دوہنے والی حدیث۔

(۲۴)......شراب کو سرکہ بنانے کی ممانعت والی حدیث۔

(۲۵)......رضاعت کے باب میں عورت کی پستان کو بچے کے، ایک مرتبہ یا دو مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت نہ ہونے والی حدیث۔

(۲۶)......یہ حدیث کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔

(۲۷)......اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کی حدیث۔

(۲۸)......عمامہ پر مسح کرنے کی حدیث۔

(۲۹)......صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے نماز کو دوبارہ پڑھنے والی حدیث۔

(۳۰)......جمعہ کے دن امام کے خطبہ کی حالت میں مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے تحیۃ المسجد پڑھنے والی حدیث۔

(۳۱)......غائبانہ نماز جنازہ والی حدیث۔

(۳۲)......نماز میں باواز بلند آمین کہنے والی حدیث۔

(۳۳)......یہ حدیث کہ باپ کا اپنے بیٹے کو ہبہ کر کے واپس لے لینا جائز ہے اور دوسرے کے لیے جائز نہیں۔

(۳۴)......آج زوال کے بعد عید کا دن معلوم ہونے پر اگلے دن عید کے لیے نکلنے والی حدیث۔

(۳۵)......طفل شیر خوار (یعنی ایسا دودھ پینے والا لڑکا جو ابھی کھانا نہ کھاتا ہو) کے پیشاب پر چھینٹا مارنے والی حدیث۔

(۳۶)......قبر پر نماز جنازہ پڑھنے والی حدیث۔

(۳۷)......سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ بیچنے اور اس پر مدینہ تک سوار ہو کر آنے کی شرط والی حدیث۔

(۳۸)......درندوں کا چمڑہ استعمال کرنے کی ممانعت والی حدیث۔

(۳۹)......یہ حدیث کہ کوئی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں میخ گاڑنے سے نہ روکے۔

(۴۰)......یہ حدیث کہ جب کوئی مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو دونوں میں سے جسے چاہے پسند کر لے۔ (یعنی ایک کو رکھ کر دوسری کو طلاق دیدے)۔

(۴۱)......سواری پر وتر پڑھنے والی حدیث۔

(۴۲)......درندوں میں سے ہر ذی ناب (دانت سے پھاڑنے والے) کی حرمت والی حدیث۔

(۴۳)......یہ حدیث کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے۔ [1]

---

[1] مالکیہ جوارسال (یعنی نماز میں ہاتھ کو لٹکا کر چھوڑے رہے) کے قائل ہیں اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۴۴)...... یہ حدیث کہ ایسی نماز نہیں ہوتی جس میں نمازی اپنے رکوع اور سجود میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرتا ہو۔

(۴۵)......نماز میں رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھانے والی احادیث۔

(۴۶)......نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے والی احادیث۔

(۴۷)...... یہ حدیث کہ نماز میں تمام چیزوں کو حرام کرنے والی چیز تکبیر اور حلال کرنے والی چیز سلام ہے۔

(۴۸)......نماز میں بچی کو اٹھانے والی حدیث۔

(۴۹)......عقیقہ کی احادیث۔

(۵۰)...... یہ حدیث کہ اگر کوئی تمہارے پاس تمہاری اجازت کے بغیر آ جائے۔

(۵۱)......سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے رات میں اذان دینے والی حدیث۔

(۵۲)......جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت والی حدیث۔

(۵۳)......سورج گہن اور چاند گہن کی نماز اور نمازِ استسقاء والی حدیث۔

(۵۴)......نر کے بیج والی حدیث۔

(۵۵)...... یہ حدیث کہ جب محرم ہو جائے تو اس کا سر ڈھکا جائے گا نہ اس کو خوشبو لگائی جائے گی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تمام کی تمام احادیث یا (ان میں سے) اکثر احادیث اور اس سے بھی کئی گنا زیادہ احادیث، مذکورہ بالا قواعد و اصول اور قیاس کی وجہ سے چھوڑ دی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو ابن حزم رحمہ اللہ نے ان لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے جنہوں نے اہل مدینہ کے عمل کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

ان لوگوں کی حدیث کی مخالفت کی چند اور مثالیں دیکھئے۔ انہیں میں سے ان احادیث کی مخالفت بھی ہے۔

(۱)...... نبی ﷺ کی مغرب میں سورۂ طور پڑھنے اور آخر عمر میں سورۂ مرسلات پڑھنے والی حدیث۔

(۲)..... نبی ﷺ کا فاتحہ کے بعد آمین کہنا۔

(۳)..... نبی ﷺ کا اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (یعنی سورۃ الانشقاق) میں سجدہ کرنا۔

(۴)..... نبی ﷺ کا لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھانا اور لوگوں کا آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا۔ ان لوگوں نے کہا کہ جو اس طرح نماز پڑھے گا۔ اس کی نماز باطل ہے۔

(۵)..... یہ حدیث کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھانے کی ابتدا کی، نبی ﷺ آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بازو میں بیٹھ گئے اور آپ نے لوگوں کو نماز پوری کرائی۔ ان لوگوں نے کہا کہ اس پر کسی کا عمل نہیں ہے اور جو شخص اس طرح پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہے۔

(۶)..... ظہر اور عصر کی نماز (مدینہ میں) بلا کسی خوف اور کسی سفر کے اکٹھا پڑھنے کی حدیث۔ ●

(۷)..... یہ حدیث کہ آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا۔ اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی مانگا اور کپڑے پر چھینٹا مار لیا اور اسے دھویا نہیں۔

(۸)..... یہ حدیث کہ نبی ﷺ عید کی نماز میں سورۃ قٓ والقرآن المجید اور سورہ اقتربت الساعۃ و انشق القمر پڑھتے تھے۔

(۹)..... یہ حدیث کہ نبی ﷺ نے سہل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔

(۱۰)..... یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے دو یہودیوں کو جنہوں نے زنا کیا تھا رجم کر دیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہودیوں کا رجم کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۱)..... رسول اللہ ﷺ کے بحالت احرام پچھنا لگوانے والی حدیث۔

(۱۲)..... خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے پہلے نبی ﷺ کا حلال ہونے کے لیے خوشبو لگوانے کی حدیث۔ ●

(۱۳)..... نماز میں دو سلام کی احادیث۔

● یہ اس وقت کی بات ہے جب کوئی حرج پایا جائے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک سوال (کہ نبی ﷺ نے ایسا کیوں کیا) سے کیا جاتے تھے) کے جواب میں بتایا کہ آپ ﷺ کی امت حرج میں نہ پڑے۔

● ابن حزم "الاحکام فی اصول الاحکام" ۲/۱۰۰۔۱۰۵۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار ایسی احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کی خلاف ورزی کی گئی ہے، اگر ان احادیث کا کوئی تتبع کرے تو ابن حزم رحمہ اللہ کے بقول ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ سکتی ہے۔

گذشتہ فصول میں حدیث پر قیاس وغیرہ کے مقدم کرنے کی بحث آچکی ہے اور اب آگے دو فصلوں کے اندر کتاب وسنت اور مذکورہ تصریحات کی روشنی میں دو دوسری چیزوں پر بحث آرہی ہے تا کہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔



تیسری فصل

عقائد اور احکام دونوں میں خبرِ واحد کی حجیت

جن لوگوں کا خیال ہے کہ خبرِ واحد سے عقیدہ نہیں ثابت ہوسکتا، وہ ایک ہی وقت میں یہ بھی کہتے ہیں کہ شرعی اور عملی احکام خبرِ واحد سے ثابت ہو سکتے ہیں اور اس طرح یہ لوگ عقائد اور اعمال کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ قرآن وسنت کے جو دلائل اوپر ذکر کیے جا چکے ہیں کیا ان میں یہ تفریق موجود ہے؟ نہیں اور ہزار بار نہیں، بلکہ وہ تو اپنے اطلاق اور عمومیت کے لحاظ سے عقائد کو بھی شامل ہیں اور عقائد کے اندر نبی ﷺ کی اتباع کو لازم کرتے ہیں، کیونکہ ''امر'' کا جو لفظ درج ذیل آیت میں آیا ہے وہ بلاشبہ عقائد کو بھی عام ہے، آیت یہ ہے۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (الاحزاب۔۳۶)

ترجمہ: جب اللہ اور اس کے رسول کسی ''امر'' کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کے لیے اپنے ''امر'' کے اختیار کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا، اپنے نبی کی فرمانبرداری کا حکم دینا، ان کی نافرمانی سے روکنا، ان کی مخالفت سے ڈرانا اور ان مومنوں کی تعریف کرنا جو اس وقت " سمعنا" اور " اطعنا" (ہم نے سن لیا اور مان لیا) کہتے ہیں، جب انہیں اللہ تعالیٰ اور رسول سے فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس قسم کی جتنی بھی چیزیں ہیں، وہ سب کی سب اس بات پر دلیل ہیں کہ عقائد اور اعمال (دونوں چیزوں) میں نبی ﷺ کی اطاعت اور اتباع واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فرمان ''مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ'' (الحشر ۷۰) (رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے مضبوطی سے تھام لو) کے اندر ''مـا'' الفاظ عموم میں سے ہے جیسا کہ معلوم ہے۔ اب اگر آپ ان لوگوں سے دلیل مانگیں جو کہتے ہیں کہ احکام اور اعمال کا خبرِ واحد سے اخذ کرنا واجب ہے، تو وہ انہی گذری ہوئی آیات اور کچھ دوسری ایسی آیات سے استدلال کریں گے

جن کو ہم نے اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کیا، ان تمام آیات کو امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' کے اندر بالاستیعاب ذکر کیا ہے، شائقین اس کی طرف مراجعت کریں۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی آخر کس بنیاد پر انہوں نے عقیدہ کو ان چیزوں سے مستثنیٰ کر دیا جن کا (اخبار آحاد سے) اخذ کرنا آیات کے ذریعہ واجب ہے، حالانکہ عقیدہ بھی آیات کے عموم میں داخل تھا اور ان آیات کو اعمال کے ساتھ (عقیدہ کو چھوڑ کر) مخصوص کرنا تخصیص بلا مخصص ہے جو کہ باطل ہے اور جس چیز سے باطل لازم آتا ہو وہ خود بھی باطل ہوتی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

لوگوں کو اولاً ایک بات کے اندر شبہ ہوا تھا اور وہی شبہ آہستہ آہستہ عقیدہ بن گیا۔ شبہ اس بات کا تھا کہ خبر واحد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے، اس ظن سے ان کی مراد طبعاً راجح ظن ہے اور احکام کے باب میں ظن راجح پر عمل کرنا بالاتفاق واجب ہے، البتہ ان دیکھی چیزوں اور عملی مسائل کے سلسلہ میں یہ لوگ استدلال کو جائز نہیں قرار دیتے اور عقیدہ سے مراد یہی چیزیں ہیں۔

اگر ہم ان کی یہ بات مان لیں کہ خبر واحد سے صرف ظن کا فائدہ ہوتا ہے تو پھر سوال کریں گے کہ آپ نے (عقیدہ اور عمل کے حکم میں) تفریق کہاں سے کی اور اس بات پر کیا دلیل ہے کہ خبر واحد سے عقیدہ اخذ کرنا جائز نہیں؟

بعض معاصرین، اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں جو مشرکوں کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ۔ (النجم:۲۳)

وہ صرف ظن اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔

وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○ (النجم:۲۸)

حق کے مقابل میں ظن کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

یہ لوگ اس طرح کی اور دوسری ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اتباع ظن کے سلسلہ میں مشرکوں کی مذمت کی ہے، یہ لوگ استدلال کرتے ہوئے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ان آیات کے اندر جس ظن کا ذکر ہوا ہے وہ ویسا ظنِ غالب نہیں ہے جس کا فائدہ خبر واحد سے حاصل ہوتا ہے اور جس پر عمل کرنا بالاتفاق واجب ہے بلکہ یہاں ظن سے مراد وہ شک اور تردد ہے جسے فرض اور اندازہ کہتے ہیں، چنانچہ ''النہایہ'' اور لسان العرب وغیرہ کتب لغت میں ہے۔

''الظن'' الشك يعرض لك في الشي فتحققه وتحكم به۔

ظن اس شک کو کہتے ہیں جو تمہیں کسی چیز کے سلسلہ میں پیش آجائے، پھر تم اس کی تحقیق کرو اور حکم لگاؤ۔

یہی وہ ظن ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مذمت کی ہے۔

مشرکوں ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○ (الانعام:۱۱۶)

وہ صرف ظن کی پیروی کرتے اور صرف اندازے کرتے ہیں۔

یہاں ظن کو ''خرص'' بتایا گیا ہے جس میں صرف اندازہ اور تخمینہ ہوتا ہے۔ جس ظن کی بنیاد پر ان آیات میں مشرکوں کی مذمت کی گئی ہے اگر وہ ظن غالب ہوتا جیسا کہ استدلال کرنے والوں کا خیال ہے تو اعمال کے باب میں بھی ان دو چیزوں کی بنیاد پر اس سے استدلال جائز نہ ہوتا۔

① ...... اللہ تعالیٰ نے ان پر مطلقاً نکیر کی ہے اور انکار میں احکام کو چھوڑ کر عقیدہ کی تخصیص نہیں کی۔

② ...... اللہ تعالیٰ نے بعض آیات میں یہ تصریح کی ہے کہ اس نے جس ظن کے سلسلہ میں مشرکوں پر نکیر کی ہے وہ احکام کو بھی شامل ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے صریح فرامین سنئے۔

ا۔ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ O (الانعام ۱۴۸)

ترجمہ: عنقریب مشرک کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہیں کرتے (یہ عقیدہ ہوا) اور ہم کوئی چیز حرام نہیں کرتے (یہ حکم ہوا) ایسے ہی ان سے پہلے کے لوگوں نے (اللہ تعالیٰ کے احکامات کی) تکذیب کی تھی، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا، آپ ان سے پوچھیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرو؟ تم لوگ تو صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور صرف اندازے ہی کرتے ہو۔

اس آیت کی تفسیر درج ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

ب۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O (الاعراف ۳۳)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ میرے پروردگار نے ظاہر و باطن کی بے حیائی کو حرام کیا ہے (یعنی خلوت و جلوت میں حرام کاری) اور گناہ اور ناحق ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنانا جن کے حصہ دار بنانے کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ باتیں کہنے لگو جو تم کو بھی معلوم نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جس ظن سے اخذ اور استدلال جائز نہیں وہ لغوی ظن ہے، جو ندازہ، تخمینہ اور بلاعلم بات کہنے کے مترادف ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ احکام کے سلسلہ میں

اس سے کوئی حکم لگانا ویسے ہی حرام ہے جیسا کہ عقائد کے سلسلہ میں اس سے استدلال کرنا، لہٰذا ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

جب بات اس طرح ہے تو ہمارا قول درست ثابت ہوا کہ گذشتہ وہ تمام احادیث اور آیات جو احکام کے باب میں اخبارِ آحاد سے استدلال کے وجوب پر دلالت کرنے والی ہیں، وہ اپنی عمومیت کے لحاظ سے عقائد کے باب میں بھی خبرِ واحد سے استدلال کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خبر واحد سے اخذ کے وجوب کے سلسلہ میں عقائد اور احکام کے درمیان تفریق اسلام کے اندر ایک دخیل فلسفہ ہے جو سلف صالحین اور ان ائمہ اربعہ کے یہاں نہیں پایا جاتا جن کی تقلید عصر حاضر کے اکثر مسلمان کرتے ہیں۔

خبر واحد کے حجت نہ ہونے کا عقیدہ، وہم اور خیال کی بنیاد پر ہے

آج ایک صاحب شعور مسلمان کے لیے اس چیز سے بڑھ کر زیادہ تعجب خیز اور کوئی بات نہیں جسے اکثر واعظین اور اہل قلم بار بار دہراتے رہتے ہیں کہ خبر واحد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، یہ لوگ اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے کسی حدیث کی تصدیق نہیں کر پاتے اگرچہ وہ حدیث محدثین کے نزدیک متواتر ہی کیوں نہ ہو، مثلاً آخری زمانے میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیث، (اس موقعہ پر) وہ لوگ یہ کہہ کر اپنی کمزوری کو چھپاتے ہیں کہ ''خبرِ واحد سے عقیدہ نہیں ثابت ہوتا''۔

مقام تعجب تو یہ ہے کہ ان کی یہ بات بھی فی نفسہٖ عقیدہ ہے جیسا کہ میں نے اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ایک بحث کرنے والے سے کہا تھا، چونکہ ان کی یہ بات خود ایک دعویٰ ہے اس لیے انہیں اس کی صحت کے اوپر قطعی دلیل پیش کرنا ضروری ہے ورنہ ان کی بات میں تناقض لازم آئے گا، لیکن ان کے پاس صرف دعویٰ ہے دلیل کہاں ہے؟ اور جب اس طرح کی چیز اعمال کے باب میں مردود ہوتی ہے تو پھر عقیدہ کے سلسلہ میں کیوں نہ مردود ہوگی۔ اس کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ لوگ عقیدہ کو ظنِ راجح کے ماننے سے بھاگے تو وہ اس سے کہیں زیادہ بری چیز میں پڑ گئے، اور وہ ہے ظنِ مرجوح سے عقیدہ کی بات مان لینا۔

اہل بصیرت عبرت حاصل کرو۔ یہ چیز صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ کتاب وسنت کے سمجھنے اور ان کے نور سے براہ راست ہدایت حاصل کرنے سے دور رہتے اور اسے چھوڑ کر اقوالِ رجال میں مشغول رہتے ہیں۔

خبرِ واحد سے عقیدہ حاصل کرنے کے وجوب پر دلائل

ابھی چند ایسے اور بھی دلائل ہیں جو خبر واحد سے عقیدہ اخذ کرنے کے وجوب پر ماسبق دلائل سے زیادہ خاص ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کچھ کا ذکر کرنا اور ان کی وجہ دلالت کو بیان کرنا ضروری ہے۔

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:۔

وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

(التوبہ:۱۲۲)

ترجمہ: تمام مومنوں کے لیے نکل پڑنا ممکن نہیں تھا، تو ہر جماعت سے ایک ٹولی کیوں نہیں نکلی تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرتی اور جب قوم کے پاس پلٹ کر آتی تو انہیں ڈراتی تاکہ (قوم کے) لوگ بچتے۔

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ ان میں سے ایک ٹولی نبی ﷺ کے پاس آتی تاکہ آپ سے اپنا دین سیکھتی اور دین کی سمجھ حاصل کرتی۔ اور اس میں تو کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ صرف ان چیزوں کے ساتھ خاص نہیں جنہیں فروغ اور احکام کا نام دیا جاتا ہے، بلکہ یہ تو عام ہے اور قطعی بات تو یہ ہے کہ معلم اور متعلم، ابتدا اسی چیز سے کریں گے جو سیکھنے اور سکھلانے کے لیے جتنی ہی زیادہ اہم ہوگی اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ عقائد احکام سے اہم ہیں، چنانچہ یہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ خبرِ واحد سے عقائد ثابت

نہیں ہو سکتے، ان لوگوں کے اس خیال کو یہ آیت کریمہ باطل قرار دیتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاں ''طَآئِفَةٌ'' (ٹولی) کو عقائد اور احکام کے سیکھنے اور سمجھنے کی طرف رغبت دلائی ہے، وہیں اس چیز پر انہیں توجہ دلائی ہے کہ وہ قوم کے پاس لوٹ کر آئیں تو انہیں ان تمام عقائد اور احکام سے ڈرائیں جنہیں وہ نبی ﷺ سے حاصل کر کے لوٹے ہیں اور ''طَآئِفَةٌ'' (عربی زبان میں ''ایک'' اور اس سے زیادہ پر بولا جاتا ہے، اب اگر واحد (ایک آدمی کی اطلاع) عقیدہ اور عمل دونوں میں حجت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ طائفہ کو تبلیغ کرنے کے لیے اس عمومی تعلیل کے ساتھ تحریض نہ کرتا کہ ''لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ'' (تاکہ لوگ بچیں) جو اس سلسلہ میں صریح ہے کہ علم یقینی ایک آدمی کے ڈرانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ آیت آیات تشریعی اور آیات تکوینی لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (تاکہ لوگ غور کریں) لَعَلَّهُمْ يَعْقِلُوْنَ (تاکہ لوگ سمجھیں) اور لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (تاکہ لوگ ہدایت پائیں) وغیرہ وغیرہ کی طرح سے ہے۔

اس طرح مذکورہ بالا آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عقیدہ اور احکام کی تبلیغ کے سلسلہ میں خبر واحد حجت اور دلیل ہے۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء۔۳۶)

آپ اس چیز پر اعتماد نہ کیجئے جس کے بارے میں آپ کو علم نہیں ہے۔

یعنی آپ اس کی پیروی نہ کیجئے اور اس پر عمل نہ کیجئے اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی سے برابر ایک آدمی کی اطلاع پر اعتماد کرتے، اس پر عمل کرتے اور اس کے ذریعہ غیبی امور اور اعتقادی حقائق، مثلاً ابتدائے تخلیق اور علامات قیامت کو ثابت کرتے رہے، بلکہ ایک ہی آدمی کی خبر کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے لیے صفات بھی ثابت کرتے رہے۔ اگر خبرِ واحد سے علم کا فائدہ حاصل نہ ہوتا اور عقیدہ ثابت نہ ہوسکتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ وغیرہ تمام لوگوں کے لیے لازم آتا ہے کہ انہوں نے ایسی چیز پر اعتماد کیا ہے جس کے بارے میں انہیں علم نہیں تھا جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا

ہے، ❶ حالانکہ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہتا۔

تیسری دلیل:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا۔ (الحجرات ٦)

ترجمہ: اے مومنو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی اطلاع لائے تو تحقیق حال کرلو۔

ایک قرأت میں "فَتَثَبَّتُوْا" ہے یعنی ٹھہر جاؤ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عادل آدمی کوئی خبر لائے تو یہ قابل اعتماد دلیل ہوگی اور یہاں توقف نہیں اختیار کیا جائے گا، بلکہ فوراً اس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ خبرِ واحد کو قبول کیا جائے گا اور توقف کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اگر ایک آدمی کی خبر سے علم کا فائدہ حاصل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ علم حاصل ہونے تک توقف کا حکم دیتا، اس سلسلہ میں یہ بھی دلیل ہے کہ سلف صالحین اور ائمہ اسلام برابر یہ کہتے رہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا، ایسا کیا، اس چیز کا حکم دیا اور اس چیز سے روکا اور یہ چیز ان کے کلام سے بالضرور یہ ظاہر ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت سی احادیث ہیں کہ ان میں سے ایک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حالانکہ یہ بات انہوں نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے سنی ہے، تو گویا یہ قائل کی طرف سے شہادت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف جس قول یا فعل کی نسبت کی گئی ہے اس پر قطعی حکم ہے، اگر ایک آدمی کی خبر سے علم یقینی کا فائدہ حاصل نہ ہو تو مذکورہ بات کہنے والا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بغیر علم کے شہادت دینے والا مانا جائے گا۔" ❷

---

❶ (مختصر الصواعق ٢ / ٣٩٦)

❷ (اعلام الموقعین ٢ / ٣٩٤)

چوتھی دلیل:

نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت، خبر واحد سے استدلال کرنے پر دلالت کرتی ہے۔

جس عملی طریقہ پر نبی ﷺ رہے، آپ کی حیات میں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے ساتھی رہے، اس سے بھی قطعی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خبرِ واحد سے عقیدہ اور عمل کے اثبات کے درمیان کچھ فرق نہیں اور یہ بھی کہ خبرِ واحد ان تمام چیزوں کے سلسلہ میں مستقل حجت ہے۔ مجھے اس سلسلہ میں جو صحیح احادیث مل سکی ہیں ان شاء اللہ ان میں سے چند کو ابھی ذکر کروں گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری (۱۳۲/۸) کے اندر فرماتے ہیں۔

''ان چیزوں کا باب جو اذان، نماز، روزہ اور تمام فرائض اور احکام کے متعلق ایک سچے آدمی کی خبر کے جائز ہونے، اور اللہ تعالیٰ کے قول۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۝ (التوبہ۔ ۱۲۲)

ترجمہ: ہر جماعت سے ایک ٹولی (طائفہ) کیوں نہیں نکلی، تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرتی اور قوم کے پاس لوٹ کر آتی تو انہیں ڈراتی تاکہ لوگ بچتے''۔

کے بارے میں آئی ہیں۔

طائفہ کا اطلاق ایک آدمی پر ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (الحجرات۔۹)

اگر مومنوں کے دو طائفے (ٹولیاں) آپس میں لڑ پڑیں۔

اب اگر دو آدمی لڑ پڑیں تو وہ بھی آیت کے مفہوم میں داخل ہوں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات ۶)

ترجمہ: اگر کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو تحقیق حال کرلو۔

اس کے باوجود نبی ﷺ نے اپنے علماء عظام رضی اللہ عنہم کو مختلف علاقوں میں یکے بعد

دیگرے کیونکر بھیجا؟ ساتھ ہی یہ بھی کہ اگر کسی سے بھول چوک ہو جائے تو حدیث کی طرف مراجعت کی جائے۔

اس طرح باب باندھنے کے بعد امام بخاری نے باب کے اندر ذکر کردہ خبرِ واحد کے جواز پر دلیل قائم کرتے ہوئے کئی احادیث ذکر کی ہیں اور جواز سے ان کی مراد بایں طور قول اور عمل کا جواز ہے کہ خبرِ واحد (دونوں چیزوں کے لیے) حجت ہے۔

میں ان احادیث میں سے چند کو ذکر کر رہا ہوں۔

① ......سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے، ہم سب نوجوان اور ہم عمر تھے، آپ کے پاس ہمارا قیام تقریباً بیس دن رہا، رسول اللہ ﷺ بڑے مہربان اور رحم دل تھے، آپ کو جب معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش یا رغبت ہو رہی ہے تو آپ نے پوچھا کہ ہم اپنے پیچھے کن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں؟ ہم نے بتایا! تو آپ نے فرمایا اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ، انہی میں قیام کرو، انہیں سکھاؤ اور بتاؤ اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔

رسول اللہ ﷺ نے ان نوجوان میں سے تمام کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے گھر والوں کو تعلیم دے اور تعلیم عقیدہ کو بھی شامل ہے بلکہ عقیدہ کی تعلیم وہ سب سے پہلی چیز ہے جو عمومیت میں داخل ہوتی ہے۔ اب اگر ایک آدمی کی خبر سے دلیل نہ بن پاتی تو اس حکم کا کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتا۔

② ......سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل یمن نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھیج دیجئے جو ہمیں سنت اور اسلام سکھائے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑا اور کہا یہ اس امت کے امین ہیں۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ اگر ایک آدمی کی خبر سے حجت قائم نہ ہو سکتی تو اللہ کے رسول ﷺ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کے ساتھ اکیلا نہ بھیجتے۔

---

[1] مسلم ۷ / ۲۹ بخاری مختصراً۔

اسی طرح کی بات اس سلسلہ میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ نبی ﷺ نے اہل یمن کے پاس بار بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا ہے، یا یہ کہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف مقامات پر بھیجا ہے، مثلاً سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم ہیں، ان لوگوں کی روایات کردہ احادیث صحیحین اور ان کے علاوہ دوسری کتب میں بھی موجود ہیں۔

اس بات میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ لوگ جن لوگوں کے پاس بھیجے گئے تھے ان لوگوں کو دوسری چیزوں کے علاوہ عقائد بھی سکھاتے تھے اور اگر ان لوگوں کی باتیں ان قوموں کے لیے حجت نہ ہوتیں تو رسول اللہ ﷺ ان کو فرداً فرداً نہ بھیجتے، اس لیے کہ یہ لغو چیز تھی جس سے رسول اللہ ﷺ بچتے۔ یہی بات امام شافعی رحمہ اللہ نے الرسالہ ص ۴۱۲ میں اس طرح کہی ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ کسی کو اپنا حکم دے کر صرف اسی صورت میں بھیج سکتے تھے کہ قوموں کے لیے تبشیر و تنذیر کی ہر بات پر دلیل قائم ہو، تا کہ وہ ان کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو قبول کریں اور رسول اللہ ﷺ اس بات پر قادر تھے کہ ان قوموں کے پاس بھیج دئے جاتے اور ان کو بالمشافہ باتیں بتا دیتے یا ان کے پاس کئی آدمیوں کو بھیج دیتے حالانکہ آپ نے صرف ایک ایسے آدمی کو بھیجا جسے لوگ سچا سمجھتے تھے''۔

③...... سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ لوگ قباء کے اندر فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا رات میں رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور اس میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کو قبلہ بنالیں، یہ سن کر ان لوگوں نے کعبہ کا استقبال کر لیا، حالانکہ ان کے چہرے شام کی طرف تھے وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ ❶

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استقبالِ بیت المقدس کے وجوب جیسی قطعی اور یقینی چیز کے نسخ کے بارے میں صرف ایک آدمی کی اطلاع مان لی، اور اسی کے کہنے کی بنیاد پر بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف رخ کر لیا، اگر ان کے نزدیک ایک شخص کی خبر حجت نہ ہوتی تو قبلۂ اول جیسی قطعی چیز کے خلاف اس کے کہنے سے نہیں کرتے۔

---

❶ (بخاری ٤٤٩٠ ـ مسلم ١٣/ ٥٢٦)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ ایسا کرنے پر انہیں مبارکبادی پیش کی گئی۔

④......سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نوف بکالی کہتے ہیں کہ موسیٰ صاحبِ خضر علیہ السلام، بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے موسیٰ نہیں ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس دشمن نے جھوٹ کہا، مجھے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا تو موسیٰ اور خضر علیہ السلام کی کچھ ایسی گفتگو نقل کی جس سے پتہ چلتا ہے کہ موسیٰ صاحبِ خضر علیہ السلام ہیں۔ بخاری اور مسلم نے تفصیل سے روایت کیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا خبرِ واحد سے عقیدہ کا اثبات

امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی طرح اختصار کیا اور کہا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے تفقہ اور پرہیزگاری کے باوجود سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے نقل کردہ خبر کا صرف اثبات نہیں کرتے، بلکہ اسی کی بنیاد پر ایک مسلمان آدمی کو جھوٹا بتاتے ہیں، کیونکہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیث بیان کی تھی جس میں موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کے صاحبِ خضر علیہ السلام ہونے پر دلالت پائی جاتی تھی۔ (۱۲۱۹/۴۴۲)

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اخبارِ آحاد سے استدلال کرنے میں عقیدہ اور عمل کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتے ہیں، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام ہی کا صاحب خضر علیہ السلام ہونا کوئی عملی حکم نہیں، بلکہ یہ علمی مسئلہ ہے جیسا کہ واضح ہے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ''الرسالہ'' میں عنوان ''خبر واحد کے اثبات کی دلیل'' کے تحت ایک اہم فصل لائے ہیں اور اس کے اندر کتاب وسنت کی بہت سے دلائل پیش کیے ہیں (ص ۴۰۱۔۴۵۳) یہ دلائل یا تو مطلق ہیں یا عام، جو اپنی عمومیت اور اطلاق کی وجہ سے خبرِ واحد کی، عقیدہ کے لیے بھی حجیت کو شامل ہیں اور عقیدہ کے سلسلہ میں ان کی اپنی باتیں بھی عام ہیں۔

امام شافعی ﷫ نے اس بحث کو اس طرح ختم کیا ہے کہ ''خبرِ واحد کے اثبات کے لیے بہت سی مختلف احادیث ہیں جن میں سے یہی چند کافی ہیں اسی لیے ہمارے اسلاف اور ان کے بعد سے اب تک کے لوگوں کا یہی طریقہ رہا ہے اور اسی طرح سے مختلف ممالک کے جن اہل علم کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا یونہی بیان کیا گیا ہے''۔

آپ کا یہ قول عام ہے اسی طرح آپ کا وہ قول بھی عام ہے کہ ''اگر کسی شخص کے لیے خواص کے علم کے متعلق یہ کہنا جائز ہو کہ'' متقدمین اور متاخرین تمام مسلمانوں نے خبرِ واحد کے اثبات اور اس سے علی الاطلاق استدلال پر اجماع کر لیا ہے، اس وجہ سے کہ مسلمان فقہاء میں سے ایک بھی ایسا معلوم نہیں جس نے خبرِ واحد کا اثبات نہ کیا ہو، تو میرے لیے بھی ایسا کہنا جائز ہوگا، مگر میں یہ کہتا ہوں کہ ''مسلمان فقہاء کے متعلق یہ بات مجھے معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے خبر واحد کے اثبات میں اختلاف کیا ہو''۔ (ص ۔ ۴۵۷)

عقیدہ کے لیے خبرِ واحد کو دلیل نہ بنانا بدعتِ محدثہ ہے

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے دلائل صحابہ کرام ﷡ کا عمل اور علماء اسلام ﷭ کے اقوال ہماری گذشتہ وضاحت کے مطابق قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ حدیث آحاد سے، شریعت کے ہر باب میں استدلال واجب ہے، خواہ وہ اعتقادات سے متعلق ہو یا عملیات سے اور ان دونوں کے درمیان تفریق ایسی بدعت ہے جو اسلاف کے یہاں نہیں ملتی۔

اس بارے میں علامہ ابن القیم ﷫ فرماتے ہیں کہ ''یہ تفریق اجماع امت سے باطل ہے کیونکہ امت ہمیشہ ان احادیث سے علمی خبروں (یعنی عقائد) اور عملی مطالبوں پر استدلال کرتی رہی اور ایسا کرنا ضروری بھی تھا، چونکہ عملی احکام کے اندر اللہ تعالیٰ کے بارہ میں یہ خبر ہوتی ہے کہ اس نے یہ چیز مشروع کی، اس چیز کو واجب کیا اور اسے دین بنانے پر خوش ہوا، اس لیے اس کی شریعت اور اس کا دین اس کے اسماء وصفات کی طرف پلٹتا ہے۔ صحابہ کرام ﷡ تابعین، تبع تابعین اور محدثین ﷭ اسماء وصفات قضاء وقدر اور اعمال واحکام کے مسائل میں برابر ان احادیث سے استدلال کرتے رہے ہیں اور ان میں سے کسی ایک سے بھی قطعاً یہ ثابت

نہیں ہے کہ انہوں نے ان احادیث سے احکام کے مسائل میں استدلال کو جائز قرار دیا ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں جائز نہ کیا ہو۔

آخر وہ اسلاف کہاں ہیں جنہوں نے دونوں چیزوں میں فرق کیا ہے؟ ہاں دونوں میں تفریق کرنے والوں کے اسلاف بعض ایسے متأخرین متکلمین ہیں جن کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں جو اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کے رسول اور رسول اللہ کے ساتھیوں سے منقول ہیں، بلکہ وہ اس سلسلہ میں اپنے دلوں کو کتاب وسنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہدایت یاب ہونے سے باز رکھتے ہیں اور متکلمین کے آراء اور متکلفین کے قواعد پر پورا انحصار کرتے ہیں، تو یہی وہ لوگ ہیں جن سے دونوں چیزوں میں تفریق کرنے کی بات معلوم ہوئی ہے۔

ان لوگوں نے دعویٰ تو اس تفریق پر اجماع کا کر دیا، حالانکہ یہ اجماع مسلمانوں کے کسی امام سے منقول ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی ایک سے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اس چیز کے درمیان صحیح فرق پیش کریں کہ دین کی کس بات کا خبر واحد سے ثابت کرنا جائز ہے اور کس کا نہیں، جھوٹ موٹ کی باتیں تو یہ لوگ بنا سکتے ہیں لیکن صحیح فرق پیش کرنے کے لیے یہ کوئی راستہ ہی نہیں پا سکتے، مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اصولیات علمی مسائل ہیں اور فروعات عملی مسائل، تو ان کی یہ تفریق باطل ہے، کیونکہ علمیات سے دو چیزیں مطلوب ہیں۔ [1] علم اور عمل۔ اور عملیات سے بھی دو ہی چیزیں مطلوب ہیں علم اور عمل، علمی مطلوب، حبِ قلب اور بغضِ قلب ہے، حبِ قلب اس حق کے لیے ہوتا ہے جس کے اوپر خبر کی دلالت ہوتی اور جس چیز پر وہ مشتمل ہوتی ہے اور بغضِ قلب اس باطل کے لیے ہوتا ہے جو اس خبر کے

---

[1] اصل میں ''والمطلوب منھا امران'' ہے اور ہم نے جو بات لکھی ہے وہ اقرب الی الصواب ہے۔

مخالف ہوتا ہے۔ اس طرح عمل صرف عملِ جوارح نہیں ہے، بلکہ اعمالِ قلوب، اعمالِ جوارح کے لیے اصل ہیں اور اعمال جوارح تابع ہیں۔ کسی بھی علمی مسئلہ کو لیجئے اس کے پیچھے ایمانِ قلب، تصدیقِ قلب اور حبِ قلب ہوگا اور یہ عمل ہے بلکہ ایمان کے مسئلہ میں اصل عمل یہی چیز ہے جس پر بہت سے متکلمین نے توجہ نہیں دی اور وہ سمجھ بیٹھے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے عمل کا نہیں، یہ بڑی فاش اور نہایت قبیح غلطی ہے۔

چنانچہ بہت سے کافروں کو نبی ﷺ کے صدق کے سلسلہ میں کچھ بھی شبہ نہیں، بلکہ انہیں پورا یقین تھا، لیکن اس تصدیق کے ساتھ عمل قلب یعنی آپ ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں سے محبت کرنا، اس کو پسند کرنا، اس کو چاہنا، اور اسے مسلسل کرنا (اگر محبوب کے جنس سے ہے۔ مترجم) اور اس سے نفرت کرتے رہنا (اگر مبغوض کے جنس سے ہے۔ مترجم) نہیں پایا گیا۔ اس کو معمولی سی چیز نہ سمجھا جائے، یہ بہت اہم چیز ہے اور اس سے ایمان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ بہر حال علمی مسائل عملی ہیں اور عملی مسائل علمی، شارع علیہ السلام نے متکلفین کے لیے علمیات کے اندر علم نہ رکھنے بلکہ صرف عمل کر لینے کو اور عملیات کے اندر عمل نہ کرنے بلکہ صرف علم رکھنے کو کافی نہیں سمجھا''۔ [1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی بات سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا تفریق اسلاف کے طریق کار کی مخالفت کی بنیاد پر، اجماع سے اور مذکورۃ الصدر بہت سے دلائل کے خلاف ہونے کے ناطے سے باطل ہونے کے باوجود اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ تفریق کرنے والوں کے یہاں عمل کے ساتھ علم اور علم کے ساتھ عمل کے شامل ہونے کا تصور نہیں ہے۔ یہ نہایت اہم نکتہ ہے، جو ایک مومن کے لیے موضوع کو ٹھیک سے سمجھنے اور مذکورہ بالا تفریق کے یقیناً باطل ہونے کا اعتقاد رکھنے میں معاون ہو سکتا ہے۔

---

[1] (اعلام الموقعين، ٢/٤١٢)

بہت سی اخبار آحاد کا علم اور یقین کا فائدہ پہنچانا

عقیدہ اور عمل کے درمیان تفریق کے بطلان کے بارے میں جو بحث و تحقیق گذری اس کی بنیاد اسی مفروضہ پر ہے کہ خبرِ واحد صرف ظنِ راجح کا فائدہ دیتی ہے، یقینی اور قطعی علم کا نہیں۔

اس سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ بات علی الاطلاق تسلیم نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے جو اپنی جگہ میں مذکور ہے، یہاں جتنا بتانا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ خبرِ واحد بہت سے اوقات میں قطعی اور یقینی علم کا فائدہ پہنچاتی ہے اس میں سے وہ احادیث ہیں جنہیں امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے، کچھ وہ احادیث ہیں جنہیں بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور ان پر کوئی تنقید نہیں ہوئی ہے، ان کی صحت قطعی ہے، اور نظری، علم یقینی ان سے حاصل ہے جیسا کہ امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب علوم الحدیث (یعنی مقدمہ ابن صلاح ص ۲۸۔۲۹) میں اسے پورے وثوق کے ساتھ کہا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی مختصر (یعنی موجودہ کتاب الباعث الحثیث) میں اور ان سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے بعد علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے مختصر الصواعق (۳۸۳/۲) میں اس کی تائید کی ہے اور کئی احادیث سے اس کی مثال دی ہے۔ انہیں میں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' (متفق علیہ)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ'' ❶

جب مرد عورت کی چاروں شاخوں (مراد دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگوں) کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

---

❶ (بخاری ۲۹۱ و مسلم ۸۷/ ۳٤۸)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے۔

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ فِيْ رَمَضَانَ عَلَى الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى۔ ❶

رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں صدقہ فطر کو چھوٹے بڑے، مرد اور عورت پر فرض کیا۔

اسی طرح اور بہت سی مثالیں ہیں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ "شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں" کہ یہ حدیث امت محمدیہ میں سے اولین وآخرین جمہور امت کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ پہنچاتی ہے، اسلاف کے درمیان تو اس کے بارے میں کوئی نزاع سرے سے تھا ہی نہیں اور اخلاف کے اندر بھی ائمہ اربعہ کے اصحاب میں سے بڑے فقہاء رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اور یہ مسئلہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی تمام فقہاء کی کتب میں منقول ہے مثال کے طور پر حنفیہ میں سرخسی اور ابوبکر رازی۔ شافعیہ میں سے شیخ ابو حامد، ابو الطیب اور شیخ ابو اسحاق۔ مالکیہ میں سے ابن خویز منداد وغیرہ۔ حنابلہ میں سے قاضی ابو یعلی، ابن ابی موسیٰ اور ابو الخطاب وغیرہ۔ متکلمین میں سے ابو اسحاق اسفرائینی، ابن فورک اور ابو اسحاق نظام کی کتابیں۔ اسے ابن صلاح نے ذکر کیا، اس کی تصحیح کی اور اس کو مختار قرار دیا ہے، لیکن اس کے قائلین کی کثرت معلوم نہیں ہے تاکہ اسے تقویت دی جاسکے۔ ابن صلاح نے یہ قول صحیح دلیل کی بنیاد پر اختیار کیا ہے اور جن بزرگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے گو وہ صاحب علم اور دیندار ہیں لیکن انہیں اس مسئلہ میں پوری آگاہی نہیں ہوئی، انہوں نے یہ سمجھا کہ ابو عمرو بن العاص نے یہ بات کہہ کر جمہور سے الگ رائے قائم کی ہے، کریں کیا وہ بھی معذور ہیں، کیونکہ وہ ان مسائل میں جو مرجع پاتے ہیں وہ ابن حاجب کی تحقیقات ہیں، اگر ایک درجہ اوپر آتے ہیں تو سیف آمدی اور ابن الخطیب تک پہنچتے ہیں اور اگر ان کی سند مزید عالی ہوئی تو وہ غزالی، جوینی اور باقلانی تک پہنچتے ہیں۔

---

❶ (بخاری ۱۵۰۳ ـ مسلم ۱۲/ ۹۸٤)

(آپ فرماتے ہیں کہ) جمیع محدثین شیخ ابوعمرو کے بیان کردہ مذہب پر ہیں۔ جمہور کے قول کے خلاف دلیل یہ ہے کہ امت کا خبر کو تصدیق اور عملاً ہاتھوں ہاتھ لینا سب کا اجماعی مسئلہ ہے اور امت ضلالت کے اوپر اکٹھی نہیں ہوسکتی، مثلاً اگر وہ کسی عموم یا مطلق سے ثابت ہونے والی چیز پر یا کسی حقیقت کے نام پر یا کسی قیاس سے ثابت ہونے والے چیز پر اکٹھی ہو جائے، تو وہ خطا پر اکٹھی نہیں ہوسکتی اور اگر امت میں سے کوئی ایک اور صرف اسی شخص کو دیکھا جائے تو وہ خطا سے مامون نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ عصمت اجتماعی حیثیت سے ثابت ہوتی ہے جیسے کہ متواتر خبر کے اندر رواۃ میں سے ایک ایک کے لیے انفرادی حیثیت سے خطاء اور کذب کا صدور جائز ہے، لیکن کل کے مجموعہ سے نہیں۔ اور یہ تو متعین ہے کہ پوری امت روایت کرنے اور رائے قائم کرنے میں خطاء سے محفوظ اور معصوم ہے۔ (آپ فرماتے ہیں کہ) ایک ایک کی انفرادی باتیں اپنے شرائط کے اعتبار سے کبھی ظن کے درجہ میں ہوتی ہیں، لیکن اگر قوت آ گئی تو علم بن جاتی ہیں اور اگر ضعف آ گیا تو وہ وہم اور فاسد خیال بن جاتی ہیں۔ (آپ فرماتے ہیں) خوب جان لو کہ بخاری اور مسلم کی تمام احادیث اسی قبیل سے ہیں جیسا کہ شیخ ابوعمرو اور ان سے پہلے حافظ ابو طاہر سلفی وغیرہ جیسے علماء نے کہا ہے، پھر جس حدیث کو محدثین اور علماء حدیث نے قبول کیا اور اس کی تصدیق کی اس سے علم یقینی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ متکلمین اور اصولیین کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ کسی دینی چیز پر اجماع میں خاص اس چیز کے ماہرین کا اعتبار کیا جاتا ہے دوسروں کا نہیں، مثلاً شرعی احکام پر اجماع میں صرف علماء شریعت ہی کا اعتبار ہوگا، نہ کہ متکلمین نحاۃ اور اطباء کا۔ اسی طرح کسی حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع میں انہیں لوگوں کا اعتبار ہوگا جو حدیث، طرق حدیث اور عللِ حدیث کی معرفت رکھنے والے ہیں اور ایسے لوگ ''علماء حدیث'' ہیں جو اپنے نبی علیہ السلام کے حالات پر دستگاہ رکھتے اور ان کے اقوال و افعال کو ضبط کرتے ہیں اور مقلدین اپنے متبوعین کے اقوال پر جتنی توجہ دیتے ہیں اس سے کہیں زیادہ توجہ علماء حدیث، احادیث پر دیتے ہیں۔

علم متواتر جس طرح عام اور خاص کی طرف منقسم ہوتا ہے اور بعض چیزیں خواص کے

نزدیک متواتر ہوتی ہیں اور دوسروں کو وہ چیز معلوم بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ ان کے نزدیک متواتر ہو، ٹھیک اسی طرح سے محدثین اپنے نبی ﷺ کی سنت پر بہت زیادہ توجہ دینے اور ان کے اقوال افعال اور احوال کو منضبط کرنے کے باعث اس کا ایسا علم رکھتے ہیں کہ اس میں انہیں ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں ہوتا اور جبکہ دوسروں کو اس کا قطعاً کوئی شعور ہی نہیں ہوتا''۔ ❶

افادۂ علم میں خبرِ شرعی کو دوسری خبروں پر قیاس کرنے کا فساد

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خبرِ واحد کے علمِ یقینی کے فائدہ پہنچانے کا انکار کیا ہے تو اس نے قیاس فاسد کی وجہ سے انکار کیا ہے، اس نے امت کے لیے عمومی شریعت کو یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے نقل کی گئی خبر کو ایک خاص معاملہ میں شہادت دینے والے کی خبر پر قیاس کیا ہے اور جبکہ دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے خبر دینے والے کے بارے میں اگر مان لیا جائے کہ اس نے عمداً جھوٹ بولا ہے یا خطاءً جھوٹ بولا ہے لیکن اس کے جھوٹ پر دلالت کرنے والی کوئی چیز ظاہر نہیں ہوسکی ہے، تو اس شخص پر مخلوق کو گمراہ کرنے کا الزام عائد ہوگا۔ یہاں تو بات ایسی خبر کی چل رہی ہے کہ جسے امت کے اندر تلقی بالقبول حاصل ہے، امت نے اس کے مطابق عمل کیا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال کو ثابت کیا ہے، تو جس خبر کا شرعاً قبول کرنا واجب ہوتا ہے وہ نفس الامر میں باطل نہیں ہوگا، خصوصاً اس صورت میں جب کہ پوری امت نے اسے قبول کیا ہو۔ اسی طرح ہر اس دلیل کے بارے میں کہنا ضروری ہے جس کی اتباع شرعاً واجب ہے کہ وہ حق ہی ہوگا اور اس کا مدلول نفس الامر میں ثابت ہوگا اور یہ اس صورت میں ہے جس میں ہم اللہ تعالیٰ کی تشریع اور اس کے اسماء وصفات سے متعلق خبر دے رہے ہوں۔ معین مشہود علیہ پر معین شہادت کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، اس میں تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس الامر میں اس کا مقتضی ثابت نہیں ہوتا۔

---

❶ (اعلام الموقعین ۲/ ۳۷۳)

اس مسئلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس خبر کو اپنے رسول ﷺ کی زبانی امت کو دے کر اس سے عبادت کرائی اور اپنے اسماء وصفات کو ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ یا وہ خبر نفس الامر میں کذب اور باطل نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اور اللہ تعالیٰ کی حجت کذب اور باطل نہیں ہوتی بلکہ واقعی اور نفس الامر کے اعتبار سے صرف حق ہوتی ہے۔حق اور باطل کے دلائل کا برابر درجہ کا ہونا جائز نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت اور اس کے دین کے متعلق جھوٹی بات ان چیزوں کے مشابہ ہوجائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے اور جس کے ذریعہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہی ہے، اور یہ مشابہت ایسی ہو کہ حق اور باطل میں امتیاز نہ ہوسکتا ہو کیونکہ حق و باطل، صدق وکذب، وحی شیطان اور فرشتے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے درمیان فرق اس سے کہیں زیادہ واضح اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے ملتبس ہوجائے۔اللہ تعالیٰ نے حق پر سورج کی ہی روشنی ڈال رکھی ہے جو روشن نگاہوں کو معلوم پڑتی ہے اور باطل کو رات کی تاریکی سے اڑھا دیا ہے۔یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ آنکھ کے اندھے پر رات دن سے ملتبس ہوجائے تو اسی طرح دل کے اندھے پر حق باطل سے ملتبس ہوسکتا ہے۔

چنانچہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے فیصلہ میں فرماتے ہیں کہ ''حق کو جس نے بھی کہا اسے لے لو کیونکہ حق پرنور ہوتا ہے''۔لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں سے اعراض کرنے کے باعث دل تاریک اور آنکھیں اندھی ہوجائیں اور اقوالِ رجال پر اکتفا کر لینے کے باعث تاریکی مزید بڑھ جائے تو ایسے لوگوں پر حق، باطل سے ملتبس ہوجاتا ہے اور وہ ان صحیح احادیث کا ''جھوٹ ہونا'' جائز قرار دیتے ہیں جنہیں امت کے عادل ترین اور صادق ترین لوگوں نے روایت کیا ہے اور ان جھوٹی باطل اور گھڑی ہوئی احادیث جو ان کی خواہشات کے موافق ہوتی ہیں، ان کا صحیح اور سچ ہونا جائز قرار دے کہ ان سے استدلال کرتے ہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظلم و جور اور جہالت کے پیکر متکلمین، صدیق، فاروق اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم کی خبروں کو ایک عام آدمی کی خبر پر قیاس کرتے ہیں، حالانکہ دونوں راویوں کے درمیان واضح فرق موجود ہے۔آخر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو علم کا فائدہ

نہ پہنچانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی کی خبر اور عام لوگوں میں سے ایک آدمی کی خبر کے درمیان برابری دکھائے تو ایسا شخص ٹھیک ویسے ہی ہے جیسے کسی نے علم وفضل اور دینداری میں ان لوگوں کو برابر کر دیا ہو۔ ❶

حدیثِ آحاد کے متعلق علم یقینی کے فائدہ نہ پہنچانے کے دعویٰ کا سبب حدیث سے جہالت ہے

اگر یہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں اور صحیح احادیث علم کا فائدہ نہیں پہنچاتی تو یہ دراصل اپنے بارے میں اطلاع دیتے ہیں کہ انہوں نے ان احادیث سے علم حاصل نہیں کیا اور وہ اپنے بارے میں یہ اطلاع دیتے ہوئے بالکل سچے ہیں، لیکن اس اطلاع کے دینے میں جھوٹے ہیں کہ یہ اہل الحدیث اور محدثین کے لیے بھی علم کا فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان لوگوں کو جب وہ طریقے حاصل نہیں جو اہل الحدیث کو ان احادیث سے استفادہ علم کے لیے حاصل ہوئے، تو ان کا یہ کہنا کہ ہم نے ان احادیث سے علم کا فائدہ نہیں اٹھایا، یہ اس سلسلہ کی عام نفی کو مستلزم نہیں ہے، یہ تو اس استدلال کی طرح ہوگا کہ ایک چیز کا پانے والا اور اس کے بارے میں علم رکھنے والا اس کا نہ تو پانے والا ہے اور نہ جاننے والا اور ایسا آدمی اس شخص کی طرح ہے جو اپنے اندر تکلیف یا لذت یا نفرت پاتا ہو، ایک آدمی کو اس لیے متعین کر دے کہ وہ یہ استدلال کرے کہ اسے تکلیف نہیں، اسے درد نہیں، اسے محبت نہیں اور اسے نفرت نہیں۔ اس کی مثالیں بہت سی ہو سکتی ہیں جن کی غایت یہ ہوگی کہ جو چیز تم نے پائی، وہ میں نے نہیں پائی ہے، اگر وہ بات حق ہوتی تو میں اور تم دونوں اس کے پانے میں شریک ہوتے جو ظاہر ہے کہ عین باطل ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے" میں اس ملامت کرنے والے سے کہتا ہوں جو اپنی ملامت کو حق بتاتا ہے کہ ذرا محبت کا مزہ چکھ لو پھر ملامت کر سکو تو کرو"۔ ❷

---

❶ (اعلام الموقعین ۲/۳٦۸) ❷ (اعلام الموقعین، ۲/ ۴۳۲)

جو لوگ خبر واحد کے افادۂ علم سے منکر ہیں، ان سے کہا جائے گا کہ پہلے اپنی توجہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں پر کرو، ان کے حریص بنو، ان کا تتبع کرو، ان کو اکٹھا کرو، ان کے ناقلین کے حالات اور ان کی سیرت کی معرفت حاصل کرو، احادیث کے سوا تمام چیزوں سے منہ پھیر لو، انہیں انتہائے مقصود اور منتہائے آرزو بنالو، بلکہ دیگر مذاہب کی اتباع اپنے ائمہ کے مذاہب کے اندر جس درجہ حریص ہوتے ہیں کہ انہیں اس سلسلہ میں اس طرح کا علم ضروری حاصل ہوتا ہے کہ یہ انہی ائمہ کے مذاہب اور اقوال ہیں اور اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ اس کا مذاق کرتے ہیں، تم اس طرح احادیث کے حریص ہو جاؤ، تو پھر جان لو گے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث، علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہیں یا نہیں اور اگر تم احادیث سے اور احادیث کی تلاش و جستجو سے اعراض کرتے رہو تو یہ تمہیں علم کا فائدہ نہیں دے سکتیں۔ اب اگر تم کہو کہ وہ تمہیں ظن کا بھی فائدہ نہیں پہنچاتیں تو تم احادیث میں سے اپنے ملنے والے حصہ اور اپنے نصیبے ہی کی اطلاع دے رہے ہو۔ ❶

---

❶ (اعلام الموقعین، ۲/۳۷۹)

حدیث کے بارے میں بعض فقہاء کا موقف اور سنت سے ان کی ناواقفیت کی دو مثالیں

میں کہتا ہوں اور یہ تو ایک حقیقت ہے جسے علم حدیث سے شغل رکھنے والا، اس کے اسانید اور الفاظ کا تتبع کرنے والا، بعض روایات کے سلسلہ میں بعض فقہاء کے موقف سے آگاہی رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔ اس کے لیے میں صرف دو مثالیں بیان کر رہا ہوں ایک پرانی ہے اور دوسری نئی۔

①..... نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"[1]

اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کو نہ پڑھے، اس کی تصریح صحیحین میں کی گئی ہے۔ احناف نے اسے محض اس دعویٰ کی بنیاد پر رد کر دیا کہ یہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنْهُ" (المزمل : ٢٠) جو کچھ قرآن سے میسر ہو پڑھو۔

احناف نے اپنے خیال کے مطابق تاویل یہ کی ہے کہ یہ خبرِ واحد ہونے کے ناطے مردود ہے، حالانکہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "جزء القراءة" کے شروع ہی میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے متواتر طور پر ثابت ہے، کیا خیال ہے؟ کیا ان لوگوں پر ضروری نہیں تھا کہ وہ حدیث میں اختصاص رکھنے والے اس امام کے علم سے استفادہ کرتے اور اس حدیث کے متعلق خبرِ واحد ہونے کی اپنی رائے بدل دیتے، اسے آیت سے ملاتے اور اس سے آیت کی تخصیص کرتے۔

یہ تمام تاویلات سب کچھ جاننے کے باوجود کی گئی ہیں کہ مذکورہ آیت (فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنْهُ) صلوٰۃ اللیل (تہجد) کے سلسلہ کی ہے، نہ کہ فرض نمازوں کے سلسلہ کی۔

---

[1] (بخاری ٧٥٦۔ مسلم ٣٤/ ٣٩٤)

②..... قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کا امت محمدیہ کے آخری دور میں نزول کی حدیث، یہ بھی صحیحین میں مروی ہے۔ چند سال ہوئے اس کے بارے میں مشائخ ازہر سے سوال کیا گیا تھا تو ان میں سے ایک شیخ نے مجلّہ ''الرسالۃ'' کے اندر جواب دیا تھا کہ یہ خبر واحد ہے اور اس کی سندات کا دارومدار وہب بن منبہ رحمہ اللہ اور کعب رحمہ اللہ احبار پر ہے، حالانکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور اختصاص رکھنے والے اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اور خود میں نے شخصی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی پہنچنے والی سندوں کا تتبع کیا، تو معلوم ہوا کہ اسے تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس میں سے کم از کم بیس سندات صحیح ہیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت بعض رواۃ سے ایک سے زائد صحیح سندات سے صحیحین، سنن، مسانید اور معاجم وغیرہ کتب حدیث میں آئی ہوئی ہیں اور یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ان تمام سندات میں کہیں بھی وہب اور کعب کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔

میں نے مذکورہ تلاش وجستجو کا خلاصہ دو صفحات میں لکھ کر انہی دنوں اس امید پر ''الرسالہ'' میں بھیج دیا تھا کہ بطور خدمت علم ان کی اشاعت ہو جائے گی لیکن اسے شائع نہیں کیا گیا۔ سینکڑوں مثالوں میں سے یہ دو مثالیں ہیں جو بتا رہی ہیں کہ اہل علم نے حدیث نبوی پر وہ توجہ نہیں دی جو انہیں اس اعتبار سے دینا لازم تھی کہ وہ اسلامی شریعت کا ایسا دوسرا سرچشمہ ہے جس کے بغیر، پہلے سرچشمہ کو صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں اس رسوا کن جہالت میں جا گرے اور ان کے ماننے سے اس طرح کا واضح انحراف کیا، حالانکہ یہ بات قطعی ہے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔ (الحشر ۷)

ترجمہ: اور رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو۔

چنانچہ ان لوگوں نے کچھ کو لیا اور کچھ کو چھوڑ دیا، اور جس نے ایسا کیا اس کا بدلہ کچھ نہیں سوائے ......

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ہر اس حدیث پر ایمان رکھے جو محدثین کے یہاں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو، خواہ وہ عقائد کے باب کی ہو یا احکام کے باب کی، متواتر ہو یا آحاد، آحاد سے خواہ قطعیت اور یقین کا فائدہ پہنچتا ہو یا ظن غالب کا، جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔ بہرحال ان تمام معاملات میں واجب ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے اور انہیں مان لیا جائے اور اسی پر ایمان لاکر مومن اس ''استجابت'' کو بجالاسکتا ہے جس کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس قول میں دیا گیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ○ (الانفال:۲۴)

ترجمہ: اے مومنو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ جب تم کو ایسی چیز کے لیے پکاریں جو تم کو زندگی عطا کرتی ہے تو سن لو اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے اور یہ بھی جان لو کہ تم سب لوگ اسی کے پاس اکٹھا کئے جاؤ گے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی وہ آیات ہیں جن کا ذکر اس کتاب کے شروع ہی میں ہو چکا ہے اور مجھے اس کتاب کے بارہ میں توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے امت کو فائدہ پہنچائے گا، اسے اپنی رضا کے لیے خالص کرلے گا اور اسے اپنی کتاب کا حامی اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کے لیے خادم بنالے گا۔ (ان شاءاللہ)

چوتھی فصل

تقلید اور تقلید کو مذہب و دین بنا لینا

تقلید کی حقیقت اور اس سے تحذیر

تقلید لغت میں اس قلادہ سے ماخوذ ہے جسے انسان دوسرے کے گلے میں پہنا دیتا ہے اور اسی سے "تقلید الهدی" (قربانی کے جانور کو قلادہ پہنانا) ہے، گویا کہ مقلد جس چیز میں مجتہد کی تقلید کرتا ہے وہ اس قلادہ کی طرح سے ہے جو اس شخص کی گردن میں ہوتا ہے جس کو قلادہ پہنایا جاتا ہے اور اصطلاحاً تقلید، ''غیر کی بات پر بغیر دلیل کے عمل کرنے'' کو کہتے ہیں، اس تعریف کی بنیاد پر، رسول اللہ ﷺ کے قول پر اور اجماع پر عمل کرنا، عام آدمی کا مفتی کی طرف اور قاضی کا عادل شخص کی شہادت کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہوگا، کیونکہ ان چیزوں میں دلیل موجود ہے۔ ❶

اس اصولی نص سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول: یہ کہ تقلید نفع بخش علم نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ یہ عام اور جاہل آدمی کا کام ہے۔

ان دونوں چیزوں پر تھوڑا سا غور کر کے ان کی حقیقت کو بیان کرنا اور ان میں سے ہر ایک پر اقوالِ ائمہ سے استشہاد پیش کرتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں نظر ڈالنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اہم ائمہ کے بزعم خویش متبعین کے حالات پر نظر ڈالیں گے اور ان کے ائمہ کے فرمودات کے مطابق ان کی اتباع کی صحت کو پرکھیں گے۔

---

❶ (ارشاد الفحول ص ۲۳۴) میں کہتا ہوں کہ اس چیز کی رعایت مناسب ہے کہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے عام آدمی کے مفتی کی طرف رجوع کرنے کو تقلید سے اس اصطلاح کی بنیاد پر خارج قرار دیا ہے جس کو انہوں نے بیان کیا ہے، اس لیے اس کا لغت میں بعینہٖ تقلید ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔

(۱) تقلید علم نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بہت سی آیات کے اندر اس کی مذمت کی ہے جبھی تو ائمہ متقدمین نے یکے بعد دیگرے مسلسل اس سے روکا ہے۔ امام اندلس ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اپنی بیش قیمت کتاب "جامع بیان العلم و فضله" کے اندر اس کی تحقیق کے لیے ایک مخصوص باب باندھا ہے۔ ان کی بات کا خلاصہ یہ ہے (۲۔۱۹۔۱۱۴)

"تقلید کی خرابی، اس کی ممانعت اور تقلید اور اتباع کے درمیان فرق کا باب"

اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ مقامات پر تقلید کی مذمت کی ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (البراءة۔۳۱)

لوگوں (یہودیوں) نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت نہیں کی تھی، البتہ انہوں نے جو کچھ ان کے لیے حلال کیا اور جو کچھ ان پر حرام کیا اس کو انہوں نے مان لیا تھا۔

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو میری گردن میں صلیب پڑی ہوئی تھی، آپ نے فرمایا عدی! اس بت کو اپنی گردن سے نکال دو، میں آپ کے پاس پہنچا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ برأت کی تلاوت فرما رہے تھے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (البراة،۳۱)

لوگوں (یہودیوں) نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔

جب اس آیت پر پہنچے تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم نے ان کو رب نہیں بنایا تھا، آپ نے فرمایا کیوں نہیں، کیا یہ بات نہیں تھی کہ تمہارے اوپر جو چیز حرام تھی اسے وہ حلال کردیتے تھے تو تم اسے حلال مانتے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا تھا اسے وہ حرام کردیتے تھے تو تم اسے حرام مانتے تھے؟ میں نے کہا کہ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں، تو آپ نے

فرمایا یہی ان کی عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآئَكُمْ ۔ (الزخرف:۲۳،۲۴)

ترجمہ: اس طرح ہم نے آپ سے پہلے جس گاؤں میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے مالداروں نے کہا ہم نے اپنے آباء کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے آثار کی پیروی کر رہے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ کیا اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے زیادہ ہدایت کی چیز لایا ہوں جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا ہو! (پھر بھی نہیں مانو گے)

اس طرح باپ دادا کی اقتداء نے ان کو ہدایت قبول کرنے سے روک دیا اور ان لوگوں نے جواباً کہا۔

اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ○ (الزخرف:۲۴)

ترجمہ: ہم سب ان تمام چیزوں کے منکر ہیں جنہیں دے کر تم بھیجے گئے ہو۔

اللہ عزوجل نے کافروں پر عیب لگاتے ہوئے اور ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ○ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عَابِدِيْنَ ○ ۔ (الانبیآء:۵۳،۵۴)

ترجمہ: یہ کیا مجسمے ہیں جن کے لیے تم اعتکاف کرتے ہو، انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا ہے۔

اس طرح آباء اور رؤساء کی تقلید کی مذمت قرآن میں بہت کافی ہے۔ علماء نے تقلید کو باطل کرنے میں انہی آیات سے استدلال کیا ہے۔ ان لوگوں کا (جن کا ذکر آیت میں ہے) کافر ہونا ان آیات سے علماء کے استدلال کے راستہ میں مانع نہیں ہوا کیونکہ یہاں تشبیہ ایک کے کافر اور دوسرے کے مومن ہونے کے اعتبار سے نہیں آئی، بلکہ تشبیہ دونوں تقلیدوں میں مقلد

کے پاس کسی حجت کے بغیر (دونوں کے اتباع ہونے کے بارے میں ❶ دی گئی ہے) جیسے ایک آدمی نے تقلید کر کے کفر کیا دوسرے نے تقلید کر کے گناہ کیا اور تیسرے نے کسی مسئلہ میں تقلید کی تو اس کی علت میں غلطی کر گیا۔ ان میں سے ہر ایک بلا دلیل تقلید کرنے کی وجہ سے قابل ملامت ہوگا، اس لیے کہ اس میں سے ہر ایک تقلید ہے اور ہر ایک دوسرے کے مشابہ ہے، گناہ کے اندر اگر چہ اختلاف ہو۔

اس کے بعد امام اندلس علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ''عالم ہو جاؤ یا متعلم ہو جاؤ، لیکن اس کے درمیان ہر ایک کی رائے کو ماننے والے نہ بنو'' سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری سند سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، ہم جاہلیت کے زمانے میں امعة اس شخص کو کہتے تھے جسے کھانے پر بلایا جاتا تو وہ اپنے ساتھ غیر کو بھی لے جاتا اور آج تم میں امعة وہ شخص ہے جو اپنے دین پر لوگوں کو سوار کرے ❷ آپ کی مراد مقلد سے ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ''عالم کی لغزشوں کی پیروی کرنے والوں کے لیے ویل ہو، کہا گیا آخر یہ کیسے ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالم اپنی رائے سے کوئی بات کہتا ہے اس کے بعد اسے کوئی ایسا شخص مل جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ (کی بات) کو اس سے زیادہ جانتا ہے اس لیے وہ اپنی بات کو چھوڑ دیتا ہے اور متبعین اسے کرتے جاتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، علماء گذر جائیں گے اس کے بعد لوگ جاہل لوگوں کو امام بنالیں گے، یہ اُن سے پوچھیں گے تو وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، اس طرح وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ❸

---

❶ اصل میں نہیں ہے مگر کلام اس کا مقتضی ہے (مترجم)

❷ ابن الاثیر کہتے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو مراد لیا ہے جو دین میں ہر شخص کی تقلید کرتا ہے، یعنی اپنے دین کو بلا کسی حجت و دلیل اور بلا کسی تدبر کے غیر کے دین کے تابع کر دیتا ہے'' محقب کا لفظ '' الارداف علی الحقیبه سے لیا گیا ہے (یعنی سوار کا اپنے پیچھے رکھی ہوئی تھیلی پر سوار کرنا)۔

❸ (بخاری ٣٤ فی العلم۔ مسلم ١٣/ ٢٦٧٣ فی التوبه) اسی کے مثل بخاری اور مسلم نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس کی تخریج میری کتاب ''الروض النضیر'' میں رقم ٥٤٩ کے تحت کی گئی ہے، اس کے الفاظ بھی آگے آرہے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں ہر اس شخص کے لیے تقلید کی نفی اور اس کا ابطال کرتی ہیں جو انہیں سمجھتا اور ان کی ہدایت سے فیض یاب ہوتا ہے۔ ائمہ امصار کا تقلید کے فساد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور اس سے زیادہ میں پیش کرنے سے بے نیاز ہوں ❶

آپ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ''تقلید کر کے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ تقلید علم نہیں اور بغیر علم کے فتویٰ دینا حرام ہے، لوگوں کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں ہے اور یہ کہ مقلد پر عالم کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا۔ ❷

اس طرح علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ '' مقلد کو عالم نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ ابوالحسن سندھی حنفی نے ابن ماجہ پر اپنے پہلے حاشیہ میں نقل کیا ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے (ارشاد الفحول ص ۲۳۶) میں اسے جزماً کہا ہے کہ ''تقلید جہل ہے، علم نہیں'' یہ اس چیز کے عین موافق ہے جو کتب احناف میں آئی ہے کہ عہدہ قضاۃ پر جاہل کو فائز کرنا جائز نہیں ہے اور یہاں جاہل کی تفسیر علامہ ابن الھمام (حنفی صاحب ھدایہ) نے مقلد کے معنی میں کی ہے۔

تقلید سے ائمہ کی ممانعت

ائمہ مجتہدین کے اقوال بہت کثرت سے آئے ہیں جنہیں انہوں نے اپنی یا دوسروں کی تقلید سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

① ...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''کسی بھی شخص کے لیے ہمارے قول سے استدلال کرنا جائز نہیں جب تک وہ یہ نہ جانتا ہو کہ ہم نے اسے کہاں سے لیا ہے۔

ایک روایت میں امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص میری دلیل نہ جانتا ہو اس پر میرے کلام سے فتویٰ دینا حرام ہے کیونکہ ہم انسان ہیں، آج ایک بات کہتے ہیں تو کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں۔

---

❶ (اعلام الموقعین، ۲/۲۹۴_۲۹۸)

❷ (اعلام ۱/۵۱)

②...... امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ ''میں انسان ہوں، کبھی صواب کو پہنچتا ہوں کبھی خطا کر جاتا ہوں، اس لیے میری بات پر نظر ڈالو اور اس میں سے جو بھی کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لو اور جو بھی کتاب وسنت کے موافق نہ ہو اسے چھوڑ دو''۔

③...... امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جسے رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت معلوم ہوگئی تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے قول کی وجہ سے سنت کو چھوڑ دے''۔ اور فرمایا کہ ''اگر محدثین کے یہاں کوئی حدیث صحیح سند سے ثابت ہو اور میری بات کے مخالف ہو تو میں اپنی بات سے زندگی میں اور موت کے بعد رجوع کر رہا ہوں'' نیز آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''جو کچھ بھی میں نے کہا ہے اگر نبی ﷺ سے صحیح طور پر میرے قول کے خلاف ثابت ہو تو حدیثِ نبی اولیٰ اور بہتر ہے، میری تقلید مت کرو''۔

④...... امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''تم لوگ میری تقلید کرو، نہ مالک کی، نہ شافعی، نہ اوزاعی کی اور نہ ثوری (رحمہم اللہ) کی، بلکہ تم بھی اس جگہ سے لو جہاں سے انہوں نے لیا ہے۔ (صفة صلوٰۃ النبی ص ۲۳، ۳۴)

ائمہ کرام کے بارہ میں مشہور ہے کہ انہوں نے کہا ہے ''جب حدیث صحیح طور پر ثابت ہو تو وہی میرا مذہب ہے'' اس کے علاوہ ان لوگوں سے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ اس کا ایک بہتر انتخاب میں نے اپنی کتاب "صفة صلاۃ النبی" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے اور یہاں جتنا ذکر کیا ہے اتنا ہی کافی ہے۔

علم صرف اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا قول ہے

جب علماء کے یہاں تقلید کی یہ حالت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اہل علم دلائل کے ذریعہ حق کو پہچاننے کی قدرت رکھتے ہیں، ان کے لیے فقہ پر کلام کرنا صرف انہیں چیزوں کی بنیاد پر جائز ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں، کیونکہ علم دراصل انہیں دونوں میں ہے، اقوال رجال میں نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ انہوں نے

جس طرح پر جانا ہے اسی طرح پر کہیں، کچھ ایسے لوگوں نے علم پر کلام کیا ہے جو اگر خاموش رہتے تو جن بعض چیزوں پر انہوں نے کلام کیا ہے ان پر خاموش رہنا ان کے لیے ان شاء اللہ زیادہ بہتر اور سلامتی کے زیادہ قریب ہوتا۔ ❶

امام صاحب رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ''کسی بھی شخص کے لیے کسی حلال یا حرام چیز کے متعلق کچھ کہنا صرف اور صرف علم ہی کی بنیاد پر جائز ہے اور علم کی بنیاد یا تو کتاب کی اطلاع ہے یا سنت کی یا اجماع یا قیاس کی''۔ ❷

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی نے بلا کسی حتمی اطلاع اور قیاس کے کوئی بات کہی، تو وہ اس شخص کی بہ نسبت گناہ کے زیادہ قریب ہوگا جس نے کوئی بات کہی اور وہ عالم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے بھی بلا ماسبق علم کو بنیاد بنائے کچھ کہنا جائز نہیں کیا اور اب علم، کتاب وسنت اور اجماع و آثار اور وہ چیزیں ہیں جنہیں ان چیزوں پر قیاس کر کے معلوم کیا جائے''۔ ❸

مسلمانوں میں سے عوام تو درکنار خواص پر جو سب سے بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے، وہ یہ کہ آج اور آج سے پہلے کئی صدیوں سے اکثر لوگ اس تہہ بہ تہ جہالت میں تھے حالانکہ تقلید بری چیز ہے، وہ علم نہیں ہے، علم صرف اللہ تعالیٰ کا اور رسول اللہ کا قول ہے، جس کے بارے میں معلومات کتاب وسنت کے نصوص، صحابہ کے آثار اور ائمہ کے اقوال سے حاصل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی شخص کے حاشیہ خیال میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ جس علم کی تعریف کتاب وسنت میں کی گئی ہے وہ انہیں کے اندر وارد عقائد و احکام کا علم ہے۔ اور کتاب و سنت میں جن علماء کی تعریف کی گئی ہے وہ کتاب وسنت کے جاننے والے ہیں، ائمہ کے اقوال اور ان کے اجتہادات کو جاننے والے نہیں، تو یہی وجہ ہے کہ آپ اسے انہیں اقوال و اجتہادات میں حیران پائیں گے، وہ ان میں سے کتاب وسنت کے موافق اور مخالف کو نہیں جان پاتا اور اسی

---

❶ (''الرسالۃ'' ص ٤١ رقم ١٣١۔ ١٣٢)

❷ (ص ٣٩/ ١٢٠)

❸ (ص ٥٠٨/ ١٤٦٧۔١٤٦٨)

طرح جب وہ علاماتِ قیامت کی احادیث پڑھتا ہے، تو ان ائمہ میں سے کسی ایک کے باغ میں چکر لگا تا رہتا ہے، مثلاً

"یُرْفَعُ فِیْهَا الْعِلْمُ وَیَظْهَرُ فِیْهَا الْجَهْلُ" ❶

قربِ قیامت میں علم اٹھ جائے گا اور جہالت عام ہو جائے گی۔

تو وہ سمجھتا ہے کہ مقلد کا علم بھی اس میں داخل ہے جو کہ دراصل جہالت ہے، کیونکہ مقلد کے پاس علم ہوتا ہی نہیں جیسا کہ ائمہ سے نقل ہو چکا ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ" ❷

اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے چھین کر نہیں اٹھائے گا بلکہ اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو اٹھا لے گا۔

اس طرح کے فرامین مقلد جب سنتا ہے تو اس کو مطلقاً اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ یہ لوگ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے جاننے والے ہیں، بلکہ ہم نے کتنوں کو بارہا سنا ہے کہ وہ اس حدیث کو کسی شیخ کے تقلید کی مناسبت سے ذکر کرتے ہیں۔ حدیث کے بقایا الفاظ یہ ہیں:

حَتّٰی اِذَا لَمْ یَتْرُكْ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَلَفْظُ الْبُخَارِیِّ: بِرَأْیِهِمْ، فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ ❸

یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں بچے گا تو لوگ کچھ جاہلوں کو امام بنالیں گے، پھر ان سے پوچھیں گے تو وہ بلا علم کے فتویٰ دیں گے (بخاری کے الفاظ ہیں اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے) اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

---

❶ (بخاری ۸۰، ۸۱ مسلم ۸/ ۲۶۷۱)

❷ (بخاری ۳۴ فی العلم۔ مسلم ۱۳/ ۲۶۷۳)

❸ (متفق علیہ مصدر سابق)

اس طرح وہ حدیث کے اس بقیہ حصہ کے سمجھنے میں بھی غلطی کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عوام ہیں جو تقلیدی فقہ کو نہیں سمجھتے اور جنہیں مذاہب کی معرفت حاصل نہیں ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس صفت میں وہ مقلدین داخل ہوتے ہیں جنہوں نے ائمہ کے اجتہادات کی معرفت حاصل کر کے اور بغیر کسی بصیرت کے ان اجتہادات میں ان کی تقلید کر کے علم پر قناعت کر لیا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے علامہ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ کے کلام میں اس چیز کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔

ہماری بات کی تائید علماء کے اس استدلال سے بھی ہوتی ہے، جسے انہوں نے اسی حدیث سے اس چیز پر کیا ہے کہ مجتہد سے زمانہ خالی ہوسکتا ہے۔ اس پوری تفصیل کے ساتھ جو فتح الباری (۱۳/۲۴۴) میں مذکور ہے لوگوں نے اسی سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں علماء سے مراد مجتہدین ہیں اور رؤوس جہال سے مقلدین۔

اس تہ بتہ جہالت کا مخفی سبب دراصل حقیقت علم سے ان کی جہالت ہے اور اس عالم کو نہ پہچاننا ہے جس کی طرف آیات اور احادیث لوٹتی ہیں۔ جب کبھی بھی ان میں اس کا ذکر ہوتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (الزمر ۹)

ترجمہ: کیا جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (المجادلہ ۱۱)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنوں کو اور ان کو جو علم دیئے گئے ہیں باعتبار درجات کے بلند کرتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِىْ عَلٰے اَدْنَاكُمْ۔ ❶

عابد کے اوپر عالم کی فضیلت ایسے ہی ہے جیسے تم میں سے معمولی آدمی پر میری فضیلت۔

---

❶ (الترمذی ۲٦٨٥) اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ ہم نے اسے تخریج مشکوۃ۔ میں حدیث نمبر ۲۱۳ کے تحت بیان کر دیا ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:۔

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ۔ ❶

ترجمہ: جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا عمل تین چیزوں کے علاوہ ہر چیز سے کٹ جاتا ہے (وہ تینوں یہ ہیں) صدقہ جاریہ، یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا ایسی صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:۔

لَيْسَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ لَّمْ يَجِلْ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ ❷

ترجمہ: وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کے حق کو نہ پہچانے۔

ان کے علاوہ علم اور علماء کی فضیلت کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم" کے اندر اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "علم کے اصول اور ان کی حقیقت کی معرفت کا باب اور اس کا باب کہ کس چیز پر فقہ اور علم کا نام مطلقاً بولا جاتا ہے" (۲/۲۳)۔ علامہ فلانی نے بھی اپنی کتاب (ایقاظ ھمم اولی الابصار ص ۲۳۔۲۶) میں انہی کی پیروی کی ہے۔ اس کے بعد ان دونوں بزرگوں نے بعض وہ احادیث اور آیات ذکر کی ہیں جن کے لیے باب باندھا ہے۔ علامہ فلانی نے اس کو اپنے اس قول پر ختم کیا ہے "میں کہتا ہوں کہ یہ احادیث و آثار اس چیز کی تصریح کرتی ہیں کہ علم کا اطلاق، کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع یا ان چیزوں پر ہوتا ہے جو نص کی عدم موجودگی میں انہی اصولوں پر قیاس کی گئی ہوں، یہ ان لوگوں کے نزدیک جو قیاس کو جائز سمجھتے ہیں ان چیزوں پر علم کا اطلاق نہیں ہوتا جسے اہل تقلید اور ارباب عصبیت کہہ گئے ہیں کہ علم انہیں کتب میں محصور ہے جو قیاس و آراء کی مذہبی کتب کی شکل میں مدون ہیں، گو

---

❶ (مسلم ۱۴/۱۶۳۱) ❷ (حاکم مسند احمد ۵/۳۲۳ ترغیب ۱/۱۱۴ مجمع ۱/۱۲۷، ۱۴۸ مستدرک ۱/۱۲۲ طبرانی ۸/۱۹۶)

ان میں سے کچھ چیزیں احادیث نبوی کی نصوص کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تقلید بری چیز ہے کیونکہ وہ علم نہیں جہالت ہے اور علم حقیقی تو صرف کتاب وسنت اور انہیں دونوں کے سمجھنے کا ہے۔

دلیل جاننے سے عاجز شخص کے لیے تقلید کا جواز

کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہر شخص اس طرح کا عالم تو نہیں ہوسکتا؟ (جس کی نشان دہی آپ نے کی ہے) تو ہم کہیں گے کہ ہاں بات ایسے ہی ہے، لیکن اس سلسلہ میں نزاع کون کرے گا۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

فَسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o (النحل:۴۳)

اگر تم لوگ علم نہیں رکھتے تو علم والوں سے پوچھ لو۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا o (الفرقان۔۵۹)

اس کے بارے میں باخبر آدمی سے پوچھ لو۔

رسول اللہ ﷺ نے بغیر علم کے فتویٰ دینے والے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

"الاسالوا حين جهلوا فانما شفاء العي السوال" (ابوداود ۳۳۶)

ان لوگوں نے جب نہیں جانا تو پوچھا کیوں نہیں؟ عاجزی کی شفا سوال میں تھی۔

ان دلائل کے باوجود، بحث، استطاعت رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں کی تحدید کے سلسلہ میں تھی ہی نہیں، بلکہ سیاق کلام بتا رہا ہے کہ یہ ان خواص کے بارے میں ہے جن کے متعلق اہل علم ہونے کا گمان ہے اور یہ خیال ہے کہ تمام مسائل کی یا کم از کم بعض مسائل کی دلیل کے ساتھ معرفت ان کے بس میں ہے، حالانکہ فی الحقیقت وہ اقوال مذہب کے عالم ہیں، جو کہ کتاب وسنت سے نابلد ہیں۔ پھر تو اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا خصوصاً اس وقت جبکہ اس فصل کے شروع میں میں نے یہ ذکر کر دیا ہے کہ مذکورہ اصولی نص سے ہمیں دو اہم چیزوں کا

فائدہ حاصل ہوا ہے۔

①.....تقلید نفع بخش علم نہیں ہے، اس کی اتنی وضاحت ہو چکی کہ ان شاء اللہ کافی ہوگی۔

②.....تقلید عام اور جاہل آدمی کا کام ہے۔ اس طرح وہ عالم جو دلائل کی معرفت پر قدرت رکھتا ہو اس حکم سے خارج ہو جاتا ہے، یہ تو ایسا شخص ہے جس کا کام تقلید نہیں اجتہاد ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ جس کی وضاحت دوسری چیز کی تشریح سے ہوگی، اس لیے میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس عبارت کے بعد لکھا ہے جو ابھی ان سے مختصراً نقل ہوئی ہے۔

''یہ تمام چیزیں غیر عامیوں کے لیے ہیں، عوام کے لیے تو کسی بھی مسئلہ کے درپیش ہونے پر اپنے علماء کی تقلید ضروری ہے، اس لیے کہ وہ محلِ حجت کو سمجھتے ہی نہیں اور بات کو نہ سمجھنے کے ناطے اس کے علم تک ان کی پہنچ ہی نہیں ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ علم کے بہت سے درجات ہیں، ان میں سے اوپر والے درجہ کو نیچے والے درجہ کے حاصل کیے بغیر نہیں پایا جا سکتا اور یہی وہ چیز ہے جو عوام کے اور دلیل طلب کرنے کے درمیان حائل ہے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عوام پر علماء کی تقلید ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول:

''فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل:۴۳)

اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھ لو، سے یہی لوگ مراد ہیں۔

اس بات پر تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ نابینا کو جب قبلہ کے بارے میں دشواری ہو تو اسے معلوم کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی تقلید ضروری ہے جس پر اعتماد ہو۔ اسی طرح وہ شخص بھی ہوگا جو اپنا دین اختیار کرنے کے سلسلہ میں علم اور بصیرت نہیں رکھتا اس کے لیے عالم دین کی تقلید ضروری ہے۔ اسی طرح علماء کا اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ عوام کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، اس کی وجہ ان چیزوں سے ناواقفیت ہے جن سے کسی چیز کا حلال کرنا اور کسی چیز کا حرام کرنا جائز ہوتا ہے اور جن سے علم کے متعلق کچھ کہنا جائز ہوتا ہے''۔

لیکن میرا خیال ہے کہ عام آدمی کے بارے میں مطلق بات کہنا اور یہ کہنا کہ اس کے لیے

تقلید ضروری ہے اس میں کچھ بات ضرور ہے، کیونکہ جب آپ کہتے ہیں کہ تقلید یہ ہے کہ غیر کی بات پر بغیر دلیل کے عمل کیا جائے، تو بہت سے اوقات میں تو کچھ ذہین عوام کے لیے دلیل کو جان لینا آسان ہوتا ہے کیونکہ جو نص اس کے پاس پہنچی ہوتی ہے اس میں دلیل بالکل واضح ہوتی ہے۔ کون کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس جیسے فرمان:

''التيمم ضربة واحدة للوجه والكفين'' ❶

چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے تیمّم کے لیے ہاتھ کو زمین پر ایک مرتبہ مارنا ہے۔

میں اس کے لیے واضح دلیل نہیں ہے، بلکہ جو ذہانت میں کم درجہ کے ہیں ان کے لیے واضح نہیں ہے؟ اسی وجہ سے یہ کہنا بہتر ہے کہ جو شخص دلیل کی معرفت سے عاجز ہو اس کے لیے تقلید واجب ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ اس کی تائید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی اس بات سے ہوتی ہے، جو اسی عنوان کے آخر میں آرہی ہے۔ چنانچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عالم خود کبھی کبھی بعض مسائل میں تقلید کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جب اس کو ان مسائل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سے کوئی نص نہیں مل پاتی اور وہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کے قول کے سوا اور کچھ نہیں پاتا ہے تو اس کی تقلید پر مجبور ہو جاتا ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض مسائل میں کیا ہے۔

اسی وجہ سے ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل علم کا کام ہے اور یہ ضروری ہے کیونکہ تقلید صرف مجبور شخص کے لیے جائز ہے اور اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود کتاب وسنت اقوال صحابہ اور دلیل کے ذریعہ حق کی معرفت سے، تقلید کی طرف منہ موڑ لیتا ہے، تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو مذبوح (حلال ذبیحہ) پر قدرت رکھنے کے باوجود مردار کی طرف پلٹتا ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ غیر کے قول کو بلا دلیل نہ قبول کیا جائے، لیکن مقلدین نے وقت کی ضرورت کی چیز کو اصل سرمایہ بنالیا۔ ❷

---

❶ (بخاری ۳۳۹، ۳۴۲)

❷ (اعلام الموقعين: ۲/ ۳۴٤)

اہل مذاہب کی اجتہاد سے جنگ اور ہر شخص پر تقلید کا ایجاب

یہ بات تو واضح ہو چکی، اب اس چیز پر بحث کرنا باقی ہے جس کا ہم نے اس سے پہلے وعدہ کیا تھا، یعنی ائمہ کے اقوال کی اتباع کرنے والوں کے حالات پر نظر ڈالنا اور اس پر نظر ڈالنا کہ آئمہ کے اقوال کی اتباع ان کے لیے کہاں تک صحیح ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ایک عرصہ سے جمہور مشائخ مقلدین کا موقف نہایت عجیب وغریب رہا ہے، وہ یہ کہ جس وقت وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ احکام کے سمجھنے میں کتاب وسنت کی طرف مراجعت کرنے کے اہل نہیں اور یہ کہ ان کے لیے ائمہ کی تقلید ضروری ہے، تو آپ ایسے حالات میں انہیں دیکھیں گے کہ وہ جہالت کی طرف منسوب کئے جانے کو گوارا نہیں کرتے، حالانکہ ان کے علماء کے اقوال کا تقاضا یہی ہے، بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ وہ بہت سے اصولوں میں اپنے ائمہ کی تقلید سے خارج ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے قواعد بنائے ہیں، جبکہ انہیں تقلید کا دعوے دار ہوتے ہوئے ایسا کرنا مناسب نہیں تھا اور خصوصاً ایسے وقت جبکہ یہ قواعد، نصوص کتاب وسنت کے خلاف ہیں۔ دراصل انہوں نے یہ قواعد اس لیے وضع کئے ہیں تاکہ وہ فروع میں ائمہ کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کر سکیں اور اس سے پہلے ذکر کئے گئے ان کے احکامات کی خلاف ورزی کر سکیں، ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ مجتہد مطلق نہیں پایا جاتا [1] اور ان کے یہاں مشہور ہے کہ اجتہاد کا دروازہ چوتھی صدی ہجری کے بعد بند ہو گیا۔ ابن عابدین نے اپنے حاشیہ (۱/۵۵۱) میں اسی طرح کی بات لکھی ہے۔ اسی بنیاد پر ان لوگوں نے مسلمانوں کو کتاب وسنت کے سمجھنے سے روک دیا اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید ان پر ضروری قرار دے دی جیسا کہ صاحب "الجوھرہ" نے کہا ہے ان میں سے ایک بڑے عالم کی تقلید واجب ہے۔ لوگوں نے اسی طرح واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ علم حدیث اور علم فقہ میں پختگی آ چکی اور وہ سوکھ چکے [2] انہوں نے ابوالحسن کرخی کے اس قول "ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے خلاف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا مُـئـوّل ہے یا منسوخ اور ہر وہ حدیث جو ایسی ہو وہ یا تو مُـئـوّل ہے یا منسوخ [3] سے

---

[1] [2] [3] الدر المختار ۱ / ٤٥ حاشیہ

مزید تائیدوتقویت حاصل کی اور یہی وجہ ہے کہ آپ جب بھی کوئی آیت یا حدیث پیش کریں گے تو وہ اس کے رد کرنے کوفوراً اپنے لیے جائز کرلیں گے، بغیر اس کے کہ وہ اس کی دلالت کے بارے میں غور وفکر کریں اور یہ دیکھیں کہ وہ دونوں واقعۃً مخالف مذہب ہیں؟ وہ آپ کو یہ کہہ کر جواب دیں گےتم زیادہ جانتے ہو یا مذہب؟

اپنے ائمہ کے لیےتعصب کرنے میں مقلدوں کا ائمہ کی مخالفت کرنا اور ان کی تقلید کوفرض کرنا

ائمہ کی وصیتوں کے خلاف اس طرح کے نئے نئے قواعد بنا کر ان لوگوں نے اپنے اور تمام طالب علموں کے دلوں میں تقلید کو راسخ کردیا ہے اور اسی چیز کے ذریعہ انہوں نے ان لوگوں کو کتاب وسنت کے سمجھنے سے روک رکھا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ''فقہ'' علماء کے ان اقوال کو سمجھنے کا نام ہوگیا ہے جو ان کی کتب میں درج ہیں، اور اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے مذہبی تعصب کی طرف بھی دعوت دی جیسا کہ بعض لوگوں کا قول ہے۔ کہ ''اگر ہم سے ہمارے مذہب اور ہمارے مخالف کے مذہب کے بارے میں پوچھا جائے تو ہم لازماً کہیں گے کہ ہمارا مذہب درست ہے جس میں غلطی کا احتمال ہے، لیکن ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے جس میں درستگی کا احتمال ہے اور اگر ہمارے اعتقاد اور ہمارے مخالف کے اعتقاد کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے تو ہم لازماً کہیں گے کہ حق وہ ہے جس پر ہم ہیں اور باطل وہ ہے جس پر ہمارا مخالف ہے''۔ ❶

یہ اور ان جیسے اقوال جنہیں ہم نے ذکر نہیں کیا، ائمہ متبوعین میں سے کسی نے بھی نہیں کہا ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کو خوب جاننے والے اور اس سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے، وہ کب اس طرح پر منہ کھولتے؟ کیونکہ یہ دو وجوہات سے ظاہر البطلان ہے۔

---

❶ تاریخ التشریع الاسلامی للعلامہ الخضری ،ص۳۳۲۔

یہ کتاب وسنت کے اکثر نصوص کے مخالف ہے جن میں اس بات کا حکم ہے کہ انسان علم کے بغیر کچھ نہ کہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (الاسریٰ۔۳۶)

جس چیز کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے اس پر تم مت ٹھہرو۔

① ...... یہ بات تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ حقیقی علم وہ ہے جو قرآن وسنت میں آیا ہے، پھر بھلا قرآن وسنت میں کوئی ایسی چیز کہاں ہے جو ان لوگوں کی ذکر کردہ چیز پر دلالت کرتی ہو۔

② ...... یہ لوگ تقلید کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور ان کی کتب کی یہ مشہور و معروف بات ہے کہ مقلد کی حجت اس کے امام کا قول ہے۔ پھر بھلا بتایئے کہ تقلید کا ثبوت ان کے ائمہ کے کلام سے کہاں ملتا ہے؟ ائمہ کی ذات تو اس سے دور ہے۔

مقلدین میں اختلاف کی کثرت اور اہل الحدیث میں اس کی قلت

جسے یہ بات معلوم ہوگئی، ان سے طول طویل صدیوں تک، طوائف مقلدین کے قابل مذمت تفرق وتشتت پر باقی رہنے کا سبب معلوم ہوگیا، حد تو یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نے مخالف مذہب کے پیچھے نماز کے باطل یا مکروہ ہونے کا فتویٰ بھی دے دیا تھا اور اسی پر بس نہیں بلکہ بعض مقلدین نے تو حنفی مرد کو شافعیہ عورت سے شادی کرنے سے روک دیا۔ کچھ دوسروں نے اجازت دی لیکن اس کے برعکس (یعنی شافعی مرد اور حنفیہ عورت کی شادی) کی اجازت، یہ علت بیان کرتے ہوئے نہیں دی کہ "عورت کو اہل کتاب کے درجہ میں اتار لیا گیا ہے"۔

ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ کہہ کر خطاب ہی نہیں کیا ہے۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ۔(العمران ۱۰۵)

ترجمہ: ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو واضح دلائل آجانے کے بعد الگ الگ ہوگئے اور اختلاف کر بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔(المومنون:۵۳)

ترجمہ: پس انہوں نے باہم اپنے امر کو مختلف کتب کے اندر الگ الگ کرلیا، اب ہر ایک فریق کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''زُبر'' کتب کو کہتے ہیں، یعنی ہر فرقہ نے کچھ کتب تصنیف کررکھی ہیں، جن کو انہوں نے تھام لیا، انہیں پر عمل کررکھا اور انہیں کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتے ہیں لیکن ہر ایک نے دوسرے کی کتب چھوڑ رکھی ہیں جیسا کہ یہ ہر ایک کی طرف سے برابر سرابر پیش آرہا ہے''۔ میں کہتا ہوں کہ شاید یہ کتب وہی ہیں جن کی طرف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن قیس سکونی کے واسطہ سے آئی ہوئی روایت میں اشارہ کیا ہے۔ (۱/۱۴۱)

آپ فرماتے ہیں کہ ''میں معاویہ کے پاس جانے والے ایک وفد میں اپنے والد کے ساتھ نکلا تو ایک آدمی کو لوگوں سے یہ بیان کرتے ہوئے سنا'' کہ قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ بروں کو اونچا اٹھایا جائے اور نیکوں کو نیچے گرایا جائے ❶ فعل وعمل کو بند کردیا جائے اور قول کو ظاہر کیا جائے اور قوم کے اندر ''مثناۃ'' (کتب) پڑھی جائیں اور کوئی ان میں ایسا نہ ہو جو انہیں بدل دے یا ان پر نکیر کرے، پوچھا گیا؟ ''مثناۃ'' کیا چیز ہے؟ کہا گیا کہ کتاب اللہ کے علاوہ جو اور چیزیں لکھ دی گئیں ہیں۔ ❷

ایسا لگتا ہے کہ اسی بنیاد پر امام رحمہ اللہ کتاب وسنت کی خالص اتباع کے حریص ہونے کے ناطے ایسی کتب رکھنا ناپسند کرتے تھے جو تفریع اور آراء پر مشتمل ہوتی تھیں، کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ لوگ ان کتب کو کتاب وسنت پر ترجیح دے لیں گے، جس طرح کہ مقلدین نے مکمل طور پر کیا ہے کہ وہ

---

❶ یعنی لوگ بروں کے درجہ کو بلند کرتے اور نیکوں کے درجہ کو پست کرتے ہیں جیسا کہ آج یہ چیز مشاہدہ میں ہے۔

❷ اس کی تخریج حاکم نے کی ہے (۴/۵۵۴۔۵۵۵) اور صحیح الاسناد کہا ہے، علامہ ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، روایت تو موقوف ہے لیکن پھر بھی اسے مرفوع ہونے کا حکم حاصل ہے، کیونکہ یہ ایسے غیبی امور سے متعلق ہے جو صرف عقل سے نہیں کہی جاسکتی خصوصاً جبکہ بعض رواۃ نے مرفوعاً ذکر کیا ہوا اور اس روایت کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔

اختلاف کے وقت اپنے مذہب کو کتاب وسنت پر ترجیح دیتے اور مذہب کو کتاب وسنت کا معیار ٹھہراتے ہیں، جیسا کہ کرخی سے منقول ہو چکا ہے۔ حالانکہ کتاب وسنت کی اتباع واجب تھی جیسا کہ قرآن وسنت کے گذشتہ دلائل اس کا تقاضا کرتے ہیں اور انہی کے آئمہ کے اقوال سے ان پر اس چیز کا وجوب ثابت ہو چکا ہے، نیز ان کے اقوال سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس کے پاس بھی کتاب وسنت ہو اس کے ساتھ تمام دوسرے مذاہب کو منظم کر دینا چاہیے، لیکن سخت افسوس کی بات ہے کہ لوگ آپس میں اختلاف اور نزاع ہی کرتے رہے ہیں، اسی وجہ سے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۳۴۳/۲) اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے اس قول

''وَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي''

جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، اس لیے تمہیں میری سنت کو لازم پکڑنا۔

کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

''یہ اختلاف کرنے والوں کی مذمت اور ان کے راستہ پر چلنے سے تحذیر ہے۔ اختلافات کی کثرت اور اس کے اس قدر وسیع پیمانے پر ہونے کا سبب تقلید اور ایسے مقلدین ہیں جنہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اہل اسلام کو گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہر فرقہ اپنے متبوع کی حمایت کرتا اس کی طرف بلاتا اور اس کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے۔ یہ لوگ ان لوگوں کے قول پر عمل کرنے کو جائز خیال ہی نہیں کرتے جیسے وہ ان سے الگ کوئی اور امت ہیں، وہ ان کی تردید میں کافی زحمت اور مشقت بھی اٹھاتے ہیں اور کہتے ''ان کی کتب ہماری کتب، ان کے ائمہ ہمارے ائمہ اور ان کا مذہب ہمارا مذہب'' حالانکہ سب کا نبی ایک قرآن ایک اور رب ایک ہے۔

اس لیے تمام لوگوں پر لازم ہے کہ سب کے سب ایک کلمہ کے تابع ہو جائیں، جو ان سب کے درمیان برابر ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہ کریں، کسی اور کے اقوال کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال کی طرح نصوص کی حیثیت نہ دیں۔ اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو

چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے۔ اب اگر وہ لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں اور ہر اس شخص کے تابع ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلا رہا ہو اور اپنا مقدمہ سنت اور آثار صحابہ کے سامنے پیش کریں تو اگر چہ اختلاف زمین سے معدوم نہ ہو گا، لیکن پھر بھی کچھ کم تو ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے کم اختلاف اہل الحدیث کے یہاں ہوتا ہے، ان سے اگر چہ اختلاف اور ان سے زیادہ اتفاق والا کوئی گروہ نہیں ہے کیونکہ ان کی بنیاد اسی اصول پر ہے۔ جب بھی کوئی گروہ حدیث سے دور ہو گا تو اس کا باہمی اختلاف بہت زیادہ اور بہت شدید ہو گا، کیونکہ جو شخص حق بات کو رد کر دے گا تو اس پر معاملہ مشتبہ اور ملتبس ہو جائے گا اور اس پر وجہ صواب اس طرح مخفی ہو جائے گی کہ وہ یہ نہیں جان پائے گا کہ کہاں جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ○ (ق ۔ ۵)

ترجمہ: جب حق بات ان کے پاس آئی تو انہوں نے جھٹلا دیا اس لیے وہ ایک مشکوک چیز میں پڑے ہیں۔ (اعلام الموقعین، ۲/۲۳۳)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ ہم اس بات دعویٰ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کے اوپر یہ چیز فرض کر دی ہے کہ وہ دین کے ہر چھوٹے بڑے مسئلہ میں سے حق بات کو دلیل سے جانیں، بلکہ ہم نکیر ان چیزوں پر کرتے ہیں جن پر ائمہ نے اور ان سے پہلے کے گذرے ہوئے لوگوں میں سے صحابہ و تابعین نے کی ہے اور اس کے علاوہ ان چیزوں پر نکیر کرتے ہیں کہ جو خیر القرون کے گذرنے کے بعد چوتھی صدی ہجری (جس کی مذمت رسول اللہ ﷺ کی زبانی ہوئی ہے) میں اسلام کے اندر اس طرح پیدا ہوئیں کہ ایک آدمی کو متعین کر لیا گیا، اس کے فتاویٰ کو شارع کے نصوص کے درجہ میں رکھ دیا گیا، بلکہ اس کے فتاویٰ کو شارع کی تنصیص پر مقدم کر دیا گیا، اس کے قول کو رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کے تمام علماء کے اقوال پر فوقیت دے دی گئی اور احکام کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کرنے کے بجائے صرف اسی کی تقلید کو کافی سمجھ لیا گیا ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ مقلد صرف وہی باتیں کہتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں ہے، حالانکہ یہ ایسی شہادت پر مشتمل ہے جسے شاہد خود نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے ایک بات کہتا ہے، اس کے علاوہ اس میں ان لوگوں کے متعلق یہ خبر دینا ہے کہ وہ لوگ کتاب وسنت میں درستگی کو نہیں پا سکے جنہوں نے اس کے امام کے خلاف رائے قائم کی ہے کہ وہ اس امام سے زیادہ علم رکھنے والے رہے ہوں۔

اور مقلد کہتا ہے کہ میرے ہی امام درستگی پر ہیں یا کہتا ہے کہ دونوں کی باتیں کتاب وسنت سے درست ہیں، حالانکہ دونوں کے اقوال باہم متعارض ہیں، اس طرح مقلد کتاب وسنت کے دلائل کو متعارض اور متناقض ٹھہراتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بیک وقت ایک چیز اور اس کی ضد کا حکم صادر کرتے ہیں، ایسے شخص کا دین آراء رجال کے تابع ہے اس کے لیے نفس الامر میں کوئی متعین حکم نہیں ہے، وہ یا تو اس طریق کو اپنا مسلک قرار دے یا اپنے امام کے خلاف کہنے والے کو غلط کہے، اسے ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی چیز کرنا ضروری ہے اور یہ اس مقلد کے لیے تقلید کی برکت ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو کہتے ہیں اور ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر یہ چیز واجب کی ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق تقویٰ اختیار کریں اور اصل تقویٰ اس چیز کی معرفت ہے جس سے تقویٰ اختیار کیا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے۔ اسی وجہ سے ہر بندہ پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کی معرفت حاصل کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جس کے کرنے سے روکا ہے اس سے رک جائے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت لازم پکڑے اور جو چیز اس پر مخفی رہ جائے اس میں وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اپنے جیسے اور لوگوں ہی کی طرح ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر شخص پر آپ کی لائی ہوئی بعض چیزیں مخفی رہ گئی ہیں اور اہل علم ہونے کے ناطے وہ اس کلیہ سے خارج نہیں ہو سکے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شخص کو حق کی معرفت اور اس کی اتباع کے سلسلہ میں اس چیز کا مکلف نہیں بنایا جس کی اسے طاقت نہ ہو۔ (اعلام الموقعین: ۲/۲۴۷)

تقلید کی تباہ کاریاں اور مسلمانوں پر اس کے بُرے اثرات

معزز بھائیو! تقلید کی تباہی اور امت پر اس کے برے اثرات، اس تھوڑے سے وقت میں ہمارے بیان سے باہر ہیں، البتہ کچھ مخصوص کتب ہیں جن میں اس سلسلہ کی تفصیلات ہیں، جو شخص مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہو اسے ان کتب کی طرف مراجعت کرنا چاہیے۔ ان کتب میں یہ بیان کرنا مقصود رہا ہے کہ تقلید ہی واحد سبب ہے یا (کم از کم) وہ بہت سے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہے جس نے مسلمانوں کو کتاب وسنت کی اتباع سے دور کر دیا اور رجال مقلدین کو چھوڑ کر انہی دونوں چیزوں سے تعصب پیدا کر دیا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مقلدین کے تمام گروہوں نے تقلید کو ایسا واجبی امر اور قابل اتباع دین ٹھہرا دیا ہے جس سے خروج چوتھی صدی ہجری کے بعد کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں اور اگر کوئی خروج کرتا ہے تو اسے مختلف القاب سے یاد کیا جاتا ہے، اس پر چاروں طرف سے اندھا دھند یلغار کر دی جاتی ہے اور جو چیزیں اس کے اندر نہیں ہیں، ان کے اتہام اس پر لگائے جاتے ہیں اور یہ چیز ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے اس سلسلہ میں لکھی گئی فریقین کی کچھ کتب دیکھی ہیں۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''اعلام الموقعین'' میں تہتر (۷۳) صحیح اور صریح احادیث کو بطور مثال پیش کیا ہے جنہیں مقلدین نے رد کر دیا ہے آپ نے ان احادیث پر تفصیلی بحث کی ہے جس میں مقلدین سے سنجیدہ علمی مناقشہ کیا ہے، ابتداء میں عقائد کے سلسلہ کی رد کردہ احادیث کی مثالیں ہیں، مثلاً مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کا علو اور عرش پر اس کا مستوی ہونا۔

اس کی تاکید مزید کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ فلانی رحمہ اللہ کی کتاب'' ایقاظ الھمم'' ص ۹۹ میں ہے کہ علامہ محقق ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے ان مسائل کو ایک ضخیم جلد کے اندر جمع کر دیا ہے جن میں ائمہ اربعہ کا انفرادی یا اجتماعی مذہب صحیح حدیث کے خلاف ہے، اس کی ابتدا میں آپ فرماتے ہیں کہ ''ان مسائل کو ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب کرنا حرام ہے اور فقہاء مقلدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل کے متعلق تحقیق کریں تا کہ وہ ائمہ کرام کی طرف ان کی نسبت کر کے ان پر بہتان نہ لگائیں۔

آج کے مہذب مسلم نوجوان کا فریضہ

بھائیو! خاتمۂ کلام یہ ہے کہ میں اپنی ان باتوں سے آپ کو اس بات پر آمادہ نہیں کرنا چاہتا کہ آپ سب مجتہد، ائمہ اور محقق وفقہاء بن جائیں، گوکہ یہ میرے اور آپ دونوں کے لیے خوشی کی چیز ہے کیونکہ یہ چیز عادۃً اس وجہ سے غیر ممکن ہے کہ اختصاصات مختلف ہوتے ہیں اور متخصصین کے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون میں اختلاف ہوتا ہے۔ دراصل میں صرف دو چیزوں کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔

①...... اس چیز سے باخبر رہیے جو آج بہت سے مہذب مسلمان نوجوانوں پر مخفی ہے۔ دوسروں کو تو چھوڑ یئے بات یہ ہے کہ انہوں نے بعض اسلامیات پر لکھنے والے لوگوں مثلاً سید قطب اور علامہ مودودی رحمہما اللہ وغیرہ کی کتب اوران کی مساعی کے طفیل جس وقت یہ معلوم کیا کہ تشریع کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس میں کوئی انسان اس کا شریک ہے نہ کوئی اور شکل، تو اسی کو انہوں نے ''حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' کے ذریعہ بیان کیا ہے اور یہ چیز تو اس کتاب کی ابتداء میں دی گئی کتاب وسنت کی نصوص میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ٹھیک اسی وقت ان نوجوانوں میں اکثر کو اس کے بعد خیال نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کے مبدأ حاکمیت ہونے میں جس مشارک کی نفی کی گئی ہے اس کی بابت اس میں کچھ فرق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس انسان کی پیروی کی گئی ہے وہ مسلمان ہو اور جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے اندر غلطی کی ہو یا کافر ہو جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شارع بنالیا ہو خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، تو اس میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے مبدأ حاکمیت ہونے کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کا نوجوان اس پر ایمان لا چکا ہے اور یہی وہ چیز تھی جس پر میں آپ کو متنبہ کرنا چاہتا تھا اور اب میں آپ کو اسی کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

میں نے نوجوانوں کو پوری جرأت اور قابل تعریف اسلامی غیرت کے ساتھ خطبہ دیتے سنا ہے جس میں وہ ثابت کرتے ہیں کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کے لیے وہ غیر اسلامی حاکم نظاموں کو بطور مثال پیش کرتے ہیں، یہ بڑی اچھی چیز ہے گو ہم اس وقت تبدیلی لانے کی استطاعت نہیں رکھتے، اور انہی حالات میں ہم میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں ایسی چیز پائی جاتی ہے جو مبدأ مذکور کی نفی کرتی ہے، جب کہ اس کا بدلنا آسان ہے لیکن ہم

مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں نہ انہیں اس کی نصیحت کرتے ہیں اور وہ چیز ہے تقلید کو دین بنالینا اور کتاب وسنت کی نصوص کو تقلید کی وجہ سے رد کر دینا۔ اگر آپ کہیں کہ اس جرأت مند خطیب کو کسی آیت یا حدیث کی خلاف ورزی کرنے پر ٹوک دے تو وہ فوراً مذہب سے استدلال کرے گا، بجائے اس کے کہ وہ سخت افسوس کے ساتھ اس بات پر متنبہ ہوتا کہ اس کا یہ عمل اس عظیم مبدا کو لغو کر دیتا ہے جس کی دعوت اس نے لوگوں کو دی ہے۔

چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (النور ۵۱)

ترجمہ: مومنوں کو جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کی بات یہی ہونی چاہیے کہ وہ کہیں ہم نے سن لیا اور مان لیا، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس جرأت مند خطیب نے جب تنبیہ اور دلیل کو سن لیا تو اس پر لازم تھا کہ وہ اسے ماننے میں جلدی کرتا، کیونکہ علم یہی ہے اور تقلید کے دامن میں پناہ نہ لیتا کیونکہ یہی جہالت ہے۔

④...... آپ میں سے ہر ایک اپنے دل کے اندر ایک ایسا واجبی درجہ پیدا کرے جس کا ہر مسلمان کے لیے اس کے مقدور بھر پایا جانا ممکن اور آسان ہے، ہاں یہ درجہ تحقیق واجتہاد کے اس درجہ سے کم ہے جس کے رجال صرف خواص ہیں اور یہ درجہ ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا، اور اس اتباع کو صرف آپ ہی کے لیے مخصوص رکھنے کا، آپ میں سے ہر ایک کو اسے اپنے مقدور بھر کرنا چاہیے۔ آپ حضرات جس طرح اپنی عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص رکھتے ہیں اسی طرح صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اپنے لیے مخصوص کرلیں۔ اس طرح آپ کا معبود ایک ہوگا اور آپ کا متبوع ایک ہوگا اور اس طرح کر کے آپ لا الـه الا اللّٰه اور محمد رسول اللّٰه کی شہادت کا عملی ثبوت پیش کر سکیں گے۔

معزز بھائیو! آپ سب اپنے آپ پر لازم کرلیں کہ آپ ہر اس حدیث پر ایمان رکھیں گے جو آپ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوگی، وہ عقیدہ سے متعلق ہو، خواہ احکام سے، اور وہ آپ کے اس امام کا قول ہو جس کے مذہب پر آپ اپنے معاشرے کے رواج کے

مطابق پروان چڑھے یا ان کے علاوہ ائمہ مسلمین میں سے کسی اور کا ہو۔

آپ کسی ایسے قاعدہ کو بنیاد نہیں بنائیں گے جسے بعض ایسے لوگوں نے جو مجتہد بھی نہیں تھے، قیاسات اور اجتہادات سے وضع کیا، اگر ایسا ہوا تو یہ چیز اتباع سنت کے راستہ میں رکاوٹ بن جائے گی۔

آپ کسی بھی انسان کی، خواہ وہ کیسا ہی بڑا اور بزرگ کیوں نہ ہو، تقلید نہ کریں، ورنہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو پا لینے کے بعد اس پر اپنے امام کے قول کو آپ ترجیح دے رہے ہوں گے۔

خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ صرف اور صرف اسی طرح پر اس مبدأ حاکمیت کو علماً اور عملاً ثابت کر سکتے ہیں جس کا قول ہے، کہ "لا الہ الا اللہ منہج حیات ہے" اور "حاکمیت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہے" اس کے بغیر اس "منفرد قرآنی نسل" کو پانا محال ہے جو، مسلم معاشرہ، اس کی خصوصیات، اور آگے چل کر گم شدہ مسلم حکومت کو جنم دینے کی استطاعت رکھنے میں واحد و یکتا ہے۔ اس سے اس سچی حکمت کی بھی تصدیق ہوگی جسے ایک بہت بڑے داعیِ اسلام رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے کہ "اسلامی حکومت کو اپنے دلوں کے اندر قائم کرو، وہ زمین پر خود قائم ہو جائے گی" اور امید ہے کہ ایسا جلد ہی ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو مدنظر رکھیے)۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (الانفال:۲۴)

اے مومنو! جب اللہ تعالیٰ اور رسول تم کو اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتی ہے، تو تم ان کی باتیں سن لو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دل کے درمیان گردش میں ہے اور یہ بھی جان لو کہ تم سب اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیة ۔ الاعراف:۵۵

آداب الدعا

جس میں دعا کے فضائل ومسائل کے علاوہ تحقیق
من دون اللہ سماع موتی اور آیت وسیلہ کی
نہایت عمدہ تفسیر بیان کی گئی ہے۔

— تالیف —

مولانا محمد حنیف یزدانی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
Mob: 0300-4826023

تخریج شدہ ایڈیشن

کتاب الکبائر

کبیرہ گناہ

قرآن و حدیث کی روشنی میں

تالیف

شیخ الاسلام الحافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ

ترجمہ

ابو انس محمد سرور گوھر

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob.: 0300-4826023

وما ارسلنك الا رحمۃ للعلمین

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۱

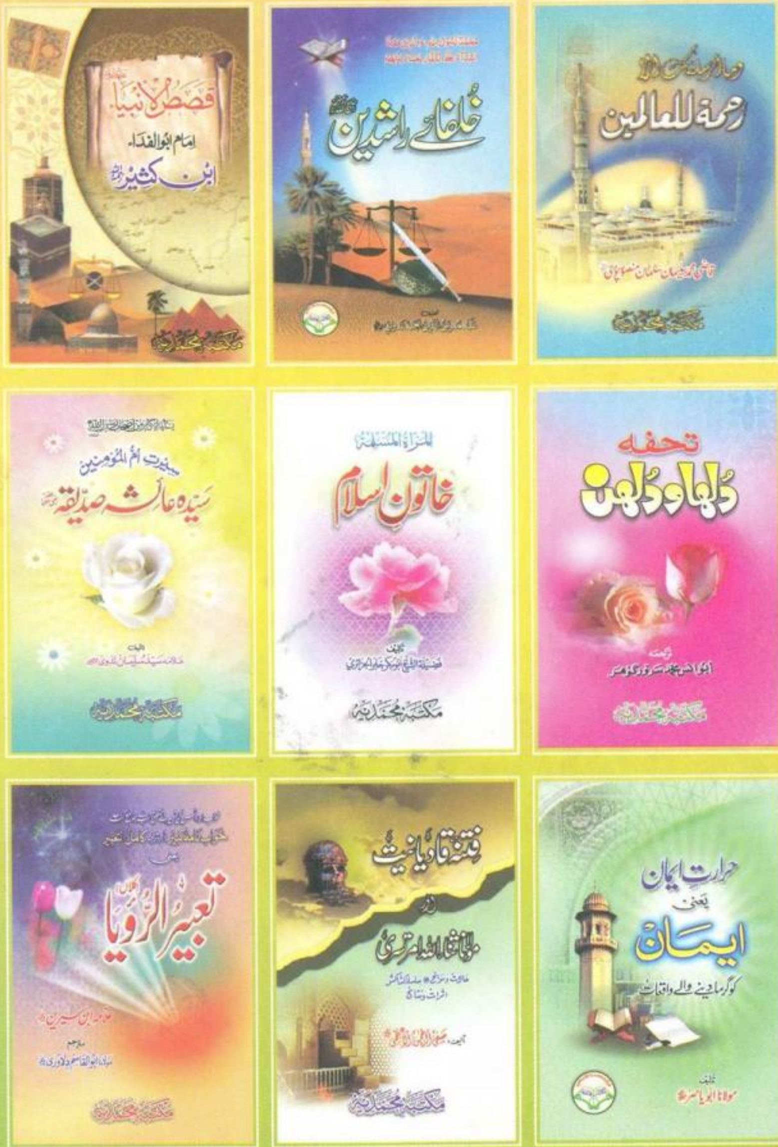
— تالیف —

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ تذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob.: 0300-4826023





مکتبہ محمدیہ ○ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
0300-4826023

E-mail:maktabah_muhammadia@yahoo.com & maktabah_m@hotmail.com